ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

۲۳ر مارچ ۱۹۹۳ء

- اسلام آباد میں نئے ڈرامے کی تیاری
- مالی معاملات کے ایک پہلو پر عدالت کی فاضلانہ بحث
- "یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے"

روزہ اور قرآن

عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال:

"اَلصِّیَامُ وَالقُرآنُ یَشفَعَانِ لِلعَبدِ، یَقُولُ الصِّیَامُ: اَیْ رَبِّ اِنِّی مَنَعتُہُ الطَّعَامَ وَالشَّھَوَاتِ بِالنَّھَارِ فَشَفِّعنِی فِیہِ، وَیَقُولُ القُرآنُ: مَنَعتُہُ النَّومَ بِاللَّیلِ فَشَفِّعنِی فِیہِ، فَیُشَفَّعَانِ"

(رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے۔ (یعنی اس بندے کی جو دن میں روزے رکھے گا اور رات میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر اس کا پاک کلام قرآن مجید پڑھے گا یا سنے گا!)۔ روزہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روکے رکھا تھا، آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما (اور اس کے ساتھ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرما!)۔ اور قرآن کہے گا کہ: میں نے اس کو رات کے سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا، خداوندا آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما (اور اس کے ساتھ بخشش اور عنایت کا معاملہ فرما!) چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی (اس کے لئے جنت اور مغفرت کا فیصلہ فرمادیا جائے گا اور خاص مراحم خسروانہ سے اس کو نوازا جائے گا۔)

آئی جے آئی... ایک سوالیہ نشان

یہ حقیقت فراموش نہ کی گئی ہو گی کہ عام انتخابات ۱۹۹۰ء کے معرکہ میں اسلامی جمہوری اتحاد (آئی جے آئی) کی جانب سے داد صحافت دینے والے دستے کے کمان دار جناب مجیب الرحمٰن شامی مدیر ماہنامہ "قومی ڈائجسٹ" و ہفت روزہ "زندگی" تھے۔ وہ آئی جے آئی کی حکومت سے خوش رہے ہوں یا ناخوش، خود آئی جے آئی کے دفاع سے کبھی غافل نہیں ہوتے اور اس سلسلے میں وہ اس اتحاد کے ایک جزو لازم یعنی جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد صاحب پر بھی گرجتے برستے رہے لیکن اب خود دل گرفتہ ہیں۔ ہمیں ان سے ہمدردی ہے لیکن ریت کی بنیادوں پر توقعات کے محل کھڑے کرنے والوں کی دل جوئی کوئی کرے تو کیسے!۔ "قومی ڈائجسٹ" کے تازہ شمارے (مارچ ۱۹۹۲ء) میں ان کا لکھا ہوا اداریہ اپنے قارئین کو پیش کرتے ہوئے یہ وضاحت کرنے کو جی چاہتا ہے کہ "یہ عبرت کی جا ہے، تماشا نہیں ہے"۔

مجیب الرحمٰن شامی صاحب نے لکھا ہے کہ:

اسلامی جمہوری اتحاد ایک بار پھر بے لگام خواہشوں اور منہ زوریوں کے نرغے میں ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ اس کی ضرورت نہیں رہی۔ انتخابات کے دوران اس کے قائدین نے اور اس میں شامل جماعتوں کے رہنماؤں نے قول دیئے تھے، قرار کئے تھے، ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر تصویریں بنوائی تھیں، کراچی سے پشاور تک لوگوں کو گواہ بنا کر عہد کئے تھے کہ کوئی رت آئے، کوئی جائے، وہ ایک رہیں گے۔ انتخاب جیتیں یا ہاریں، ان کا راستہ نہیں بدلے گا۔ وہ ایک ہو کر اپنے انتخابی وعدوں میں رنگ بھریں گے، اپنے انتخابی منشور پر عمل کریں گے۔

مخالفین کہتے تھے کہ یہ بھان متی کا کنبہ ہیں۔ ان میں پیپلزپارٹی کی دشمنی کے علاوہ کوئی قدر مشترک نہیں، یہ کسی مثبت قدر پر نہیں محض منفی جذبے کے تحت اکٹھے ہوئے ہیں۔ یہ جواب میں ایک جھنڈا بلند کرتے تھے، ایک انتخابی نشان کی طرف اشارہ کرتے تھے، ایک انتخابی منشور کو فضا میں لہراتے تھے، ایک مکہ دکھاتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم عملاً ایک پارٹی بن چکے ہیں، ایک سانچے میں ڈھل چکے ہیں۔ ہم ایک پارٹی کے طور پر حکومت چلائیں گے، مخالفین جو زبان چلا رہے ہیں وہ ان کے منہ میں دھری رہ جائے گی ---- لیکن اب اسلامی جمہوری اتحاد کی چھوٹی جماعتوں کو شکوہ ہے کہ حکومت پر نواز شریف صاحب نے شخصی تسلط قائم کر لیا ہے۔ ان کی حیثیت دروازے پر کھڑے ہونے والے دربان کی بھی نہیں ہے۔ نواز شریف صاحب کے قریبی حلقے اکثر چھوٹی جماعتوں کی دانتا کلکل سے تنگ ہیں۔ وہ دبے دبے الفاظ میں یہ الزام دہراتے ہیں کہ ان جماعتوں کے رہنما "بلیک میلنگ" پر اترے ہوئے ہیں۔ اتحاد کا نام لے لے کر وزیراعظم کے سر پر تلوار بن کر لٹک جاتے ہیں اور ان سے تعاون کرنے کے بجائے ہر معاملے میں روڑے اٹکا کر اپنی اہمیت جتاتے ہیں۔

حالات کا منظر یہ ہے کہ حکومت کرنے والا ٹولہ ہر فیصلہ خود کر رہا ہے۔ اس نے حال ہی میں جھنگ کے ضمنی انتخاب کے موقع پر قومی اور صوبائی اسمبلی کے لئے مسلم لیگ کے امیدوار کھڑے کر دیئے۔ اتحاد کے اندر یہ بات طے شدہ ہے کہ قومی اور صوبائی اسمبلی کے لئے جس جماعت کے بھی کوٹے سے نشست خالی ہو گی، اسے امیدوار نامزد کرنے کا اختیار دیا جائے گا۔ اس کا حق ہو گا کہ جس کو چاہے امیدوار بنا لے۔ مسلم لیگ کے کوٹے کی نشست جب بھی خالی ہوئی، اس کے پارلیمانی بورڈ نے اپنا امیدوار نامزد کر دیا۔ کسی اور جماعت سے پوچھنے کی نہ ضرورت محسوس کی گئی، نہ اس نے اس کا مطالبہ کیا ---- لیکن جھنگ سے جمعیت العلمائے اسلام کو دی جانے والی نشست خالی ہوئی تو برسراقتدار افراد اپنا دعوی لے کر کھڑے ہو گئے ---- قومی اور صوبائی دونوں اسمبلیوں میں اپنے امیدوار نامزد کر دیئے۔ جمعیت العلمائے اسلام کے امیدواروں نے جو انجمن سپاہ صحابہ کے رہنما بھی ہیں، مخالف امیدواروں کو شکست فاش دے دی ---- میدان ان کے ہاتھ میں ہے۔ مسلم لیگ کے متعلقین کو خفت کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آیا۔

جتوئی صاحب کی این پی پی بھی اپنا راستہ الگ کر رہی ہے۔ سندھ میں اس نے پی ڈی اے سے گٹھ جوڑ کر لیا ہے اور قومی سطح پر بھی جتوئی صاحب اور مسز بے نظیر صاحبہ کے درمیان معاملات طے ہو رہے ہیں ----- اس سے اسلامی جمہوری اتحاد کے اندر دراڑیں بڑھتی جا رہی ہیں۔

حالات کو یہاں تک لانے میں کس کس کا ہاتھ ہے؟ اس کی جو بھی تفصیل بیان کی جائے، یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ ۹۰ء کے انتخابات کے بعد اقتدار کی چوری کھانے والے زیادہ ذمہ دار ٹھہرائے جائیں گے ----- ان کے بارے میں زیادہ زور سے یہ کہا جائے گا کہ انہوں نے ووٹ جمع کرنے کے لئے تو اتحاد کا کھڑاگ رچایا تھا، لیکن بعد میں آنکھیں پھیر لیں تو اس کی زور دار تردید آسان نہیں ہو گی۔

اگر اسلامی جمہوری اتحاد قائم نہ ہوتا، اور اس میں شامل جماعتوں کے ووٹ اکٹھے نہ ہوتے تو آج نواز شریف وزیراعظم نہ ہوتے---- اس لئے اس اتحاد کے خاتمے کے بعد ان کی حکومت کا اخلاقی جواز ختم ہو جائے گا ---- نئے انتخابات کرانے کا مطالبہ زور پکڑ جائے گا۔

اگر اس مخمصے سے بچنا مطلوب ہے تو پھر اسلامی جمہوری اتحاد کو کمبل سمجھنے سے گریز کرنا ہو گا---- اس کی جو جماعتیں اور افراد اپنا لائحہ عمل طے کرنے کے لئے آزاد ہونا چاہیں، ان کو نظر انداز کر کے آگے قدم بڑھانا ہو گا----- ماضی کے تجربات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک دوسرے کا اعتماد حاصل کرنا ہو گا ---- ایسا نہیں ہو گا، تو پھر ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا ---- بھٹو مرحوم جیسے ذہین بلکہ نابغہ بھی اگر "چالاکیوں" کے سہارے کھڑے نہیں رہ سکے تو ان کی ذہانت اور فطانت سے کوسوں دور کھڑے ہونے والے کیسے کھڑے رہ جائیں گے ----- ان کی پیٹھ تو کہیں جلد زمین سے جا لگے گی ---- یوں لگتا ہے جیسے زمین اس کا انتظار کر رہی ہے۔○○

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

○

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت لاہور

جلد ۱ شمارہ ۹

۱۷ تا ۲۳ مارچ ۱۹۹۳ء

○

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

○

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی

مرکزی دفتر: ۶۷-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

○

پبلشر: اقتدار احمد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

○

قیمت فی پرچہ -/۳ روپے
سالانہ زرِ تعاون (اندرونِ پاکستان) -/۱۲۰ روپے

○

زرِ تعاون برائے بیرونِ پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۶ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۱۲ " "
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۷ " "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۲۰ " "

افتتاحیہ

۲۳ مارچ

زیرِ نظر شمارے پر ۲۳ر مارچ کی تاریخ درج ہے اور ہر چند کہ ہم اس انداز میں "دن منانے" کے قائل نہیں جو اوروں کی دیکھا دیکھی اقوامِ مسلم نے بھی اختیار کر لیا، تاہم اتفاق سے عین وہی دن چونکہ ہماری تاریخ اشاعت بن گیا ہے جسے "یومِ پاکستان" سے موسوم کیا جاتا ہے لہٰذا اسی حوالے سے جان کی امان پانے کی امید میں کچھ عرض کریں گے۔ "رسم دنیا بھی ہے، موقع بھی ہے، دستور بھی ہے"۔ اول تو اللہ تعالیٰ کی تقویم میں سبھی دن ایک جیسے ہیں اور ان میں جن دنوں کو کوئی فضیلت حاصل ہے وہ بھی کوئی یاد منانے سے زیادہ انسانی معاشرے کی کسی اجتماعی ضرورت سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً ہر ہفتے میں جمعہ کا دن ہمارا "یومِ سبت" ہے جس کی رسمی حیثیت تو کوئی نہیں البتہ عملی افادیت یہ ہے کہ اس میں تلاوتِ آیات، تزکیہ اور تعلیم حکمت و کتاب کا اجتماعی اہتمام کیا جاتا ہے اور سارا زور اس بات پر ہے کہ جب جمعہ کی نماز کے لئے بلایا جائے تو "اللہ کے ذکر کی طرف لپک کر جاؤ"۔ ایک عید الاضحیٰ کا موقع البتہ ایسا ہے جسے امام الناس حضرت ابراہیمؑ کی آزمائشوں میں آخری لیکن سب سے کڑے امتحان کی یاد سے مناسبت ہے لیکن اسے بھی مناسکِ حج کا حصہ بنا کر ان لوگوں کے لئے بھی علامتی شرکت کا ذریعہ بنا دیا گیا جو امت کے "سالانہ اجتماعِ عام" میں نہیں پہنچ سکے اور یوں اسے بڑی ہی وسیع معنویت حاصل ہو گئی۔

اب ہمارے ہاں آئے دن "یوم" منائے جاتے ہیں اور ان کی اکثریت کا رشتہ ملک و قوم سے جوڑ کر اسی تقدس کا مستحق قرار دیا جانے لگا ہے جو صرف انہی دنوں کو حاصل ہونا چاہیے جو "شعائر اللہ" میں شامل ہیں لیکن شعائر اللہ ہی کی حیثیت وہ نہیں رہی جو ہونی چاہیے تو قومی دن کس شمار میں آئیں گے۔ "نماز و روزہ و قربانی و حج، یہ سب باتی ہیں تو باقی نہیں ہے"۔ یومِ استقلال، یومِ پاکستان اور پھر واقعات و حوادث سے متعلق متعدد ایام بڑے اہتمام سے منائے جاتے ہیں اور سیانے بھی ان کی حکمت یہ بیان کرتے ہیں کہ قوم کو انہیں خود احتسابی یا عزم و ارادے کی تجدید کے لئے استعمال کرنا چاہیے۔ چہ خوب، کیا احتساب کے لئے بھی کسی دن کے تعین اور کسی تقریب کی ضرورت ہے جبکہ دستِ قضا میں صورتِ شمشیر تو صرف وہ قوم ہوتی ہے "کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب" اور عزم و ارادے کی تجدید کے لئے بھی کوئی دھوم دھڑکا درکار نہیں، یہ تو ایک خاموش لیکن مسلسل عمل کا پیش خیمہ ہونا چاہیے۔ اب عزم و ارادے کی تجدید ہر برس بلکہ سال میں کئی کئی بار کی جاتی ہے جسے عمل سے تقویت دینے کی فکر کسی کو نہیں۔ "عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ"۔

۲۳ر مارچ ۱۹۴۰ء کو برصغیر کے مسلمانوں نے قرار دادِ پاکستان کی شکل میں اپنے لئے ایک منزل کا تعین کیا تھا جو بظاہر ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو مل گئی لیکن دراصل روز بروز دور تر ہوتی چلی گئی ہے۔ ۱۹۵۶ء میں اسی دن ایک اور تاریخ ساز واقعہ ہوا تھا۔ لگ بھگ نو سال کی کدو کاوش کے بعد وطنِ عزیز کو ایک آئین میسر آیا اور اس کی شناخت "اسلامی جمہوریہ پاکستان" ٹھہری جو اس ملکِ خداداد کو آج تک حاصل نہیں ہو سکی۔ اسلام کے ساتھ جو ٹھٹھا مخول پچھلے ۳۶ برسوں میں ہم نے کیا، اس کی تفصیل ایسی عبرتناک ہے "کہ جو بت کدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری" اور جمہوریت کی نیلم پری بھی ہمیں بس گاہے ماہے ایک جھلک ہی دکھاتی رہی، وہ بھی ایسی عجیب الخلقت جس میں بندوں کو گننے تک میں ہمیشہ ڈنڈی ماری گئی --- تولنے کا تو ظاہر ہے اس میں رواج ہی نہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد سے ہم نے اب تک کتنی بار "یومِ پاکستان" منایا ہے، اتنی دفعہ دہرانے کے بعد بھی سبق یاد نہ کر سکنے والے کو بڑا ہی نالائق طالب علم سمجھا جائے گا۔ کیا ہر سال اپنی نالائقی کا اشتہار دینا اتنا ہی ضروری ہے!۔

۲۳ر مارچ کا دن منانا ضروری ہو گیا ہے تو ضرور منائیے لیکن خدارا اس میں سے تھوڑا سا وقت نکال کر یہ ضرور سوچئے گا کہ وہ منزل کونسی تھی جس کی سمت میں ۵۲ سال پہلے سفر کا ارادہ کیا گیا۔

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

الہدیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو یقیناً میں قریب ہوں'

(سورہ البقرہ' آیت نمبر ۱۸۶)

(کہ رمضان المبارک کے دو گونہ پروگرام --- دن کا روزہ اور رات کا قیام بالقرآن-- کے ذریعے روح کو بالیدگی ہی عطا نہیں ہوگی ایک حیات تازہ بھی نصیب ہوگی اور وہ والہانہ بے تابی کے ساتھ اپنے اصل مرکز یعنی اپنے خالق و مالک کے جانب متوجہ ہوگی' ایسے میں اے نبی اگر میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو انہیں یہ بتا کر ان کی تسلی کر دیجئے کہ میں کہیں دور نہیں' نہایت قریب ہوں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ ۔

" ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں!"

اگر بندہ اپنے دل کو اللہ کی یاد سے آباد رکھے گا' اس کی نعمتوں پر کثرت سے اس کا شکر ادا کرتا رہے گا' ہر آزمائش میں اسی سے صبر و استقامت طلب کرے گا اور ہر مصیبت میں اسی کے آگے روئے اور گڑگڑائے گا تو وہ محسوس کرے گا کہ اسے ہر دم اللہ کی معیت حاصل ہے وہ اللہ کو اپنی شہ رگ سے بھی قریب تر پائے گا۔ اس کے برعکس اگر بندہ اللہ کی یاد سے غافل اور اس کی موجودگی کے احساس سے بے پروا ہے تو اللہ سے دور ہوتا چلا جائے گا۔ پھر اس کے اور اللہ کے مابین پردے حائل ہوتے چلے جائیں گے۔ ہمارا دین درحقیقت خالق و مخلوق کے مابین حائل انہی خود ساختہ پردوں کو دور کرنے آیا ہے۔ اگر بندہ خلوص و اخلاص کے ساتھ اپنے رب کی جانب متوجہ ہونا اور اس سے تعلق جوڑنا چاہتا ہے تو اسے کسی پیر' پنڈت' پروہت یا پادری کے واسطے اور وسیلے کی ہرگز کوئی حاجت نہیں ہے۔ وہ اپنے رب کو براہ راست پکارے تو وہ اسے انتہائی قریب پائے گا)

(ترجمانی : حافظ عاکف سعید)

میں ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے

(خالق ارض و سماء کا یہ صاف اور واضح اعلان ہے کہ وہ ہر پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہی نہیں جواب بھی دیتا ہے۔ بندہ اگر خلوص و اخلاص اور تضرع و عاجزی کے ساتھ اپنے رب کو پکارے تو کیسے ممکن ہے کہ اس کی مدد اور فریاد رسی کو نہ پہنچے! بندہ اگر وہی چیز مانگے جو مانگنے کی ہے اور اس طور سے مانگے جس طور سے مانگنا چاہئے تو پروردگار ہر ایسی دعا کو ضرور شرف قبول عطا فرماتا ہے۔ تاہم چونکہ وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے ان سے بڑھ کر واقف ہے لہٰذا کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ بندے نے جس چیز کی استدعا کی تھی' پروردگار اس سے بہتر چیز عطا فرما دیتا ہے یا یہ کہ فوری طور پر عطا نہیں کرتا بلکہ بندے کے مستقبل یا آخرت کے لئے محفوظ فرما لیتا ہے۔ بہرکیف۔

"افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر اٹھتے ہیں حجاب آخر کرتے ہیں خطاب آخر"

تو چاہئے کہ وہ بھی میرا حکم مانیں اور مجھ پر پختہ یقین رکھیں تاکہ وہ صحیح راہ پر رہیں ○

(کہ بندے اور رب کا معاملہ دو طرفہ ہے۔ اگر بندے یہ چاہتے ہیں کہ پروردگار اپنی رحمتوں اور عنایتوں کے ساتھ ان کی طرف توجہ کرے تو انہیں بھی چاہیے کہ وہ اپنے رب کے فرمانبردار بن کر رہیں' اسی کی اطاعت کا قلادہ اپنی گردنوں میں ڈالیں' اس کے ہر حکم کے آگے سر جھکانے کی روش اپنا لیں اور توکل و اعتماد کی کل پونجی بھی اسی کی ذات کے ساتھ وابستہ کریں تبھی وہ سیدھی راہ پر گامزن رہ سکیں گے۔ اس لئے اللہ کو چھوڑ کر کسی اور پر بھروسہ اور اعتماد کرنا توحید کے صریحاً منافی ہے)

عہد آزادی میں زر پرست اور جاہ پرست قیادت کا عروج

اسلام آباد میں نئے ڈرامے کی تیاری

لوٹ مار، بے اصولی اور ضمیر فروشی کی تجارت عروج کو پہنچے گی!

عبدالکریم عابد

ہر اتحاد ایک سازش کے نتیجے میں تشکیل پایا، اصل سازشی اسلام آباد کا ٹولہ ہے

مسلمان جب غلام تھے تو ان کی قیادت آزاد تھی اور آج جبکہ وہ آزاد ہیں بلکہ آزادی کے کئی عشرے بھی گزار چکے ہیں، تو ان کی قیادت "غلام" ہے۔ وہ رہنما جو فرنگی سامراج کے مخالف تھے اور قید و بند کی صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے جھیل جاتے تھے، ان سے قطع نظر اگر ان رہنماؤں کو دیکھا جائے جو فرنگی حکومت سے تعاون کے حامی تھے تو وہ بھی عظمت کردار کے حامل تھے۔

سرسید کو دیکھئے، انگریز حکومت کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا درس انہوں نے قوم کو دیا۔ مسلمانوں سے یہ بھی کہا کہ سوٹ بوٹ پہنو، میز کرسی پر کھانا کھاؤ، انگریز کی "سویلائزیشن" اختیار کرو اور اپنے مذہب میں بھی تجدد پیدا کرو لیکن انگریز حکومت کی اس قدر خدمت کرنے کے باوجود انہوں نے سرکار برطانیہ سے کوئی جاگیر حاصل نہیں کی اور ان کی مالی حالت یہ تھی کہ جب وہ سیرت نبویؐ پر کتاب لکھنے کے لئے لندن گئے تو وہاں سے خط لکھا کہ میرے گھر کا سامان اور کتابیں تک بیچ دو تاکہ لندن میں مزید قیام کے لئے رقم ہاتھ آئے کیونکہ یہاں کے کتب خانوں سے استفادہ کرنا ہے اور عبرانی زبان بھی سیکھنی ہے۔

سرسید کے ساتھ کافی نواب حضرات بھی تھے لیکن انہوں نے اپنی "ٹوڈی سیاست" کے عوض سرکار سے کچھ حاصل نہیں کیا، اپنا ہی مال خرچ کرتے رہے۔ سرسید اور علامہ اقبال دونوں نے سر کا خطاب ضرور قبول کیا لیکن اپنے ضمیر کا سودا نہیں کیا۔ وہ انگریز کی اطاعت اور انگریز سے تعاون پر زور دیتے تھے تو یہ ان کے ضمیر کی آواز تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ اصل مقابلہ ہندو سے ہے چنانچہ انگریز سے بھڑ جانے کی بجائے ابھی رک کر اپنی کمزوریوں پر قابو پایا جائے اور اپنے آپ کو نئے تقاضوں کے مطابق بنایا سنوارا جائے لیکن اپنی اس سیاست کو انہوں نے سرکار برطانیہ سے کیش نہیں کرایا۔

علامہ اقبال نے سائمن کمیشن کا اس وقت خیر مقدم کیا جب سارا ہندوستان بشمول قائداعظم "سائمن کمیشن گو بیک" کا نعرہ لگا رہا تھا لیکن علامہ اقبال اور سر شفیع نے سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کو نہیں مانا اور کمیشن کے ارکان سے ملاقاتیں کیں۔ اقبال نے ایک موقع پر ایک انگریز ڈپٹی کمشنر کی شان میں قصیدہ بھی لکھا لیکن اس کے باوجود کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اقبال نے اس سیاست سے کبھی دولت بھی کمائی۔

مولانا ظفر علی خان نظام دکن کے نمک خواروں میں رہے مگر ان کے جذبہ حریت پر کبھی شبہ نہیں کیا گیا۔ قائداعظم اپنے زمانہ کے مشہور بیرسٹر تھے اور وہ بمبئی میں جہاں دولت کی ریل پیل تھی، وکالت کرتے رہے لیکن انہوں نے کوئی خاص اثاثہ نہیں چھوڑا۔ نواب زادہ لیاقت علی خان، نواب اسماعیل، راجہ صاحب محمود آباد،

نواب بہادر یار جنگ ' نواب ممدوٹ اور دوسرے نواب حضرات نے کانگریس کی مخالفت میں دن رات ایک کردئے جب زمانہ جنگ میں کانگریس حکومت کے خلافت تحریک چلا رہی تھی تو یہ مسلم لیگی قیادت انگریزی حکومت کے ہاتھ مضبوط کررہی تھی تاکہ وہ ہٹلر اور مسولینی کے خلاف جنگ جیت سکے۔

ان زعماء نے انگریزی حکومت کے لئے چندہ جمع کیا اور فوج کے لئے آدمی بھرتی کرائے۔ کمیونسٹوں نے بھی ایسا کیا تھا کیونکہ برطانیہ اور روس جنگ میں حلیف تھے اور روس نے تمام دنیا کے کمیونسٹوں کو کہا تھا کہ وہ اس جنگ کو ایک مقدس جنگ خیال کریں مگر کمیونسٹوں نے اپنے تعاون کی نقد قیمت وصول کی۔ ان کے بڑے بڑے دانشور بشمول فیض احمد فیض "وار پراپگنڈہ فرنٹ" میں کرنل اور افسر مقرر ہوگئے لیکن مسلم لیگ کی "ٹوڈی قیادت" نے جو کیا 'بلا معاوضہ کیا اور اپنا فرض سمجھ کر کیا۔

یہ ہماری "ٹوڈی قیادت" کا کردار تھا کہ اس پر کہیں ضمیر فروشی کی پھبتی نہیں کسی جاسکتی بلکہ ان ٹوڈی لوگوں کا تذکرہ جدوجہد آزادی کے رہنماؤں کے طور پر آتا ہے اور جو قیادت انقلابی یا بالکل انگریز کی باغی تھی ' اس کی بلندی کردار کا حال تو سب کو معلوم ہے ہی ۔ یہ ہمارا قومی افتخار ہے کہ ہماری انقلابی قیادت کی طرح ہماری غیر انقلابی اور "ٹوڈی قیادت" نے بھی سرکار دربار سے تعلق اس لئے نہیں رکھا تھا کہ کچھ مال بنائیں بلکہ سرکار دربار سے ان کے تعلق کی بنیاد بھی "مسلم مفاد" تھا ۔ اور یہ وہ سیاستدان تھے جو ذاتی مفاد کی بجائے ذاتی نقصان اٹھا کر سیاست کرتے تھے ۔

وہ عہد غلامی گیا تو آزاد اور باضمیر سیاستدانوں کا یہ دور بھی آہستہ آہستہ ختم ہوگیا اور اب جو سیاستدان سیاسی منظر پر چھائے ہوئے ہیں وہ غلامانہ عادات و اطوار میں راسخ ہیں ' پس پردہ کے اشاروں پر کام کرتے ہیں ' ضمیر کے اندھے ہیں اور اس کے صلے میں دولت میں کھیل رہے ہیں ۔ وہ مولوی صاحبان بھی جو مسجدوں کے حجروں میں رہائش رکھتے تھے ' اب لکھو کھا کی کوٹھیوں کے مکین ہیں اور کروڑ پتی ہوگئے ہیں ۔ متوسط طبقہ کے دانشور سیاسی کارکن اور صحافی جن کو سائیکل نصیب نہیں تھی ' کارخانوں کے مالک ہیں اور پلانوں کی تجارت سے تجوریاں بھر رہے ہیں اور یہ سب کچھ جائز طریقے سے نہیں ناجائز طریقوں سے ہورہا ہے ۔ تاہم ان لوگوں کے بارے میں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ بھوکے لوگ تھے ' موقع مل گیا تو سیاست کے دستر خوان پر سیر ہوگئے لیکن ان حضرات کو کیا کہا جائے جو رہنمائی کے اعلیٰ مناسب پر فائز ہیں اور خدا نے جنہیں اتنی دولت بھی دے رکھی ہے کہ سات نسلوں کے لئے کافی ہے ۔ اتنی عزت بھی دی کہ ذرہ سے آفتاب بنا دیا لیکن ہماری سیاست کے یہ سارے چاند سورج ضمیر فروشی کی انتہاء پر ہیں ' لوٹ کھسوٹ میں ایک سے بڑھ کر ایک ہے ۔ نہ ان کا کوئی ایمان ہے نہ کوئی اصول نہ نظریہ ۔

ان کے ہاں نام ہر چیز کا لیا جاتا ہے ' نعرے سب طرح کے لگائے جاتے ہیں لیکن سوائے ذاتی مفاد اور ذاتی اقتدار کے ' انہیں کسی قدر پر ایمان نہیں ہے اور اس طرح کی سیاست کے سبب ملک میں لوٹ مچی ہے ۔ کوآپریٹو کی لوٹ ' سرکاری بنکوں کی رقومات ہضم کرنے کی لوٹ ' صنعتیں قائم کرنے کے نام پر قرضے ہڑپ کرنے کی لوٹ ' درآمد اور برآمد کے نام پر لوٹ ' افغان جہاد کے اسلحہ اور فنڈ کی لوٹ ' ٹھیکوں اور ملکی غیر ملکی خریداری میں کمیشنوں کی لوٹ ' نیشنلائزیشن کی لوٹ کے بعد پرایوٹائزیشن کی لوٹ غرض ہر طرح کی لوٹ ہے اور جس لوٹ مار پر نظر ڈالئے اس کی تہ سے ہمارے اہل سیاست کے جغادری اور جید حضرات برآمد ہونگے ۔

زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ سیاست کے ہی نہیں ' مذہب کے نام لیوا جغادری بھی اس لوٹ مار کرنے والے گروہ میں نمایاں حیثیت کے مالک ہیں۔ یہ سب کچھ کیسے اور کیوں ہوگیا ؟۔ چالیس سال پہلے جس قوم کے رہنما اور کارکن دیانت اور ضمیر کی دولت رکھتے تھے ' وہ اب اس سے قلاش کیوں ہوگئے ہیں اور قوم و ملک کا یہ سیاسی اور مذہبی طبقہ کیا حال کرے گا ؟۔ صاف بات یہ ہے کہ جو سیاست اس وقت چل رہی ہے ' اس میں کوئی خیر نہیں شری شر ہے اور یہ سارا شر مستحکم آمریتوں کا نتیجہ ہے جس نے ہر سطح پر لوگوں کو کرپٹ کیا ۔ ایوب خاں کے زمانے میں معاشرہ کو کرپٹ کرنے کا عمل اوپر اوپر کے طبقہ میں تھا ' بھٹو کے دور میں درمیانے طبقہ میں آگیا اور ضیاء الحق کے زمانے میں ہر گلی کوچہ میں بدعنوانی کے جراثیم پھیل گئے اور اوپر سے نیچے تک ساری سیاست ' ثقافت ' معیشت اور مذہبیت کو ایسا روگ لگا ہے کہ جانبر ہونا مشکل ہے۔ حالت روز بروز مزید خراب ہوتی جائیگی ۔

سیاست کبھی اصولوں اور نصب العین کا نام تھا لیکن آج یہ کیا ہے ' گھٹیا قسم کے گٹھ جوڑ ۔ جتوئی صاحب نے بے نظیر صاحبہ کے خلاف قومی اسمبلی میں عدم اعتماد کی قرار داد پیش کی تھی ' اب وہ یہی قرار داد بے نظیر صاحبہ سے مل کر نواز شریف کے خلاف پیش کرینگے۔ نہ جتوئی صاحب نے سوچا کہ کس منہ سے بے نظیر صاحبہ سے اتحاد کروں نہ پی پی پی کی بیگمات کو خیال آیا ۔ پروپگنڈہ اور بہتان تراشیوں کی جنگ میں کیا باقی رہ گیا جو جتوئی صاحب نے نہیں کہا اور بیگم نصرت یا محترمہ بے نظیر ابھی ایک ماہ پہلے تک جتوئی کے متعلق کیا کچھ نہیں کہتی رہی ہیں ۔

سندھ میں جام صادق کی تمام حرکات کے تائید کنندہ جتوئی تھے ۔ صدر اسحٰق نے بے نظیر حکومت برطرف کی تو ان کی جگہ جتوئی نے لی اور بقول محترمہ ' دھاندلی والے انتخابات کرائے مگر اب وہ حلیف ہیں ۔ وہ جو اسلامی جمہوری اتحاد اسلام کے نام پر بنا تھا اب ایک مذاق ہو کر رہ گیا ہے ۔ مرتضٰی پویا ' مولانا سمیع الحق ' پیر فضل حق ' اعجاز الحق ' اور عبدالستار نیازی تو اچھے خاصے کارٹون تھے ہی لیکن خود نواز شریف اور قاضی حسین احمد کا وجود بھی مضحکہ خیز نظر آرہا ہے اور یہ اس لئے ہے کہ اتحاد کی سیاست کا ضمیر اصولوں اور نظریات سے تیار نہیں ہوا تھا ' اسے سونے اور چاندی سے جگمگا یا گیا تھا اور کیا اسلامی جمہوری اتحاد ' کیا پی ڈی اے اور کیا اے پی سی سب اس ملک و قوم کے خلاف ایک سازش معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے پیچھے اصل سازشی طبقہ اسلام آباد کے چند مقتدر حضرات کا ہے جو ان سارے ڈراموں کا اہتمام کرتے ہیں۔

خیال تھا کہ ضیاء الحق کے بعد جمہوریت آئیگی لیکن جمہوریت کے ڈرامے اور سوانگ رچائے گئے اور اب صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی نئے سوانگ اور ڈرامے کی تیاری ہے جس کے لئے ہر ایک کو نیا کردار سونپا گیا ہے اور نئے مکالمے ازبر کرا دئے گئے ہیں ۔ اب دیکھئے کہ یہ سیاست مزید کیا تماشے دکھاتی ہے اور انجام تو ظاہر ہے کہ اس کا اچھا ہرگز نہیں ہوگا○○

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے

نظام خلافت کے داعیوں کو ان حقائق کا ادراک بھی ہے؟

اقتدار احمد

ڈھاکہ (بنگلہ دیش) کے امام الدین محمد طٰہٰ صاحب کے امیر تنظیم اسلامی اور داعی تحریک خلافت پاکستان محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے نام جس مکتوب گرامی کا ذکر پچھلے دو شماروں سے "ندائے خلافت" میں چل رہا ہے اس کے بعض مندرجات کا یہ آخری انتخاب خلافت ' نظام خلافت اور تحریک خلافت پر ان کے جذبات کی ترجمانی کرتا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کو دعوت رجوع الی القرآن دیتے چھبیس ستائیس برس سے زیادہ ہونے کو آتے ہیں جو ہمیشہ سے ہی اقامت دین ' انقلاب اسلامی ' شہادت حق اور اظہار دین الحق علی الدین کلہ کی تمہید تھی اور گویا غلبہ دین اور حکومت الہیہ کے قیام کے لئے اٹھ کھڑے ہونے کی تحریک بھی۔ اور طٰہٰ صاحب چونکہ کچھ عرصے سے "ندا" کے قاری تھے لہٰذا اس حقیقت سے ہرگز بے خبر نہ ہوں گے۔ وہ ان اصطلاحات کے معانی و مفاہیم سے کماحقہ واقف ہیں اور یہ بھی یقیناً جانتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب اسی کام کے لئے سمع و طاعت فی المعروف کی بنیاد پر ایک انقلابی جماعت کی داغ بیل ڈال چکے ہیں جو اٹھارہ سال سے انتخابی سیاست اور ہنگامی قومی مسائل کی لپیٹ میں آئے بغیر خاموشی سے مسلمانوں کی ایک جمعیت فراہم کرنے اور اسے منظم کرکے تربیت دینے کے کام میں لگی ہوئی ہے جسے وقت آنے پر منہج انقلاب نبویؐ کے آخری مرحلے ... نہی عن المنکر بالید ... میں حصول مقصد کی کوشش کے لئے استعمال کر کے تخت یا تختے کے انجام تک پہنچایا جائے لیکن طٰہٰ صاحب کے جذبات میں ہلچل مچی تو صرف اس وقت جب ڈاکٹر صاحب نے اپنے مشن کے جامع عنوان کے طور پر نظام خلافت کی اصطلاح استعمال کی۔ معلوم ہوا کہ اذان خلافت میں بذات خود کوئی ایسی بات ہے جو مسلمان کے دل سے " تری آواز کے اور مدینے" کی صدا بلند کردیتی ہے ۔ یہ وہ جادو ہے جو سر چڑھ کر بولتا ہے بشرطیکہ غلبہ دین کی آرزو دل کے کسی کونے کھدرے میں ہی سہی ' سینے میں کہیں چھپی ضرور بیٹھی ہو۔

نظام خلات کا نعرہ لگانا بہت آسان لیکن اس کے قیام کا بیڑہ اٹھانا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ "یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے" اور کچھ اسی وجہ سے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اس مشن کو تنظیم اسلامی کے سپرد کیا ہے جسے بنیان مرصوص بنانے کے لئے جماعت سازی کے مروجہ طریقے اختیار کرنے کی بجائے انہوں نے وہی کارگر نسخہ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا جو خیر القرون میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور براہ راست رہنمائی میں کامیابی سے آزمایا تھا ۔ سو طٰہٰ صاحب کی تنبیہات دراصل تنظیم اسلامی کے ان رفقاء کی توجہ کی طالب ہیں جنہوں نے غلبہ دین اور قیام نظام خلافت کے لئے تن من دھن کھپانے کی اپنے دل میں واقعی ٹھان لی ہے اور تحریک خلافت پاکستان کے ان معاونین کے کان بھی کھڑے ہوجانے چاہئیں جنہوں نے راہ کی مشکلات کا ادراک حاصل کر کے جلد یا بدیر خلافت کو مقصد زیست بنا لینے کی بات سوچ لی ہو ورنہ خود تحریک خلافت پاکستان کا ہدف تو اب صرف یہ مقرر کیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں اس بابرکت نظام کا شعور عام کیا جائے اور اس کی پیاس ان میں پیدا کردی جائے ۔ ظاہر ہے کہ ہدف مقرر کرنے کی یہ کارروائی ابھی چند روز پہلے ہی مکمل ہوئی ہے اور طٰہٰ صاحب کو قبل ازیں اس کا اندازہ نہ ہوا ہوگا جس کے باعث ان کا پورا خطاب تحریک خلافت سے ہے ۔ تاہم ہمارا اندازہ ہے کہ اپنے تلخ تجربات اور بڑی حد تک حقیقت پسندانہ تجزیے کی روشنی میں وہ ڈاکٹر اسرار احمد کے اس فیصلے پر صاد کریں گے کیونکہ بلند و بالا مقاصد کو ہدف بنا کر سفر کا آغاز کرنے والوں نے زمینی حقائق کی طرف سے آنکھیں بند کر کے منہ کی کھائی اور ایسی کئی داستانیں طٰہٰ صاحب کے مکتوب میں ہی مذکور ہیں ۔ شورا شوری کے بعد بے تکی سے بہتر ہے کہ شروع میں ہی مرچ مسالے کا استعمال کم کیا جائے ۔

گذشتہ ایک قسط میں عرض کیا جاچکا ہے کہ ہمارے اندازے کے مطابق امام الدین محمد طٰہٰ صاحب خود بھی طبقہ علماء سے تعلق رکھتے اور مکتب و مدرسے چلانے والوں میں شامل ہیں چنانچہ ان سے معذرت کے ساتھ انتصار کے لئے انہیں مولانا کہا گیا لیکن اسی طبقے کو وہ اس راہ کا سب سے بڑا روڑا قرار دیتے ہیں ۔ ہم تو یہ جسارت نہیں کرسکتے' انہی کا کہنا ہے کہ "یہ علماء ابراہیمؑ و محمدؐ کے قوسین جو اللہ تعالیٰ نماز کے معراج میں مومن بندوں کو درود ابراہیمی کے ذریعہ روزانہ کم از کم پانچ فرض نماز میں آل ابراہیمؑ و آل محمدؐ بننے کی تلقین کرتا ہے اس راہ میں سب سے بڑے مانع ہیں حالانکہ یہی لوگ ان دو رکعات کے امام ہوتے ہیں ! دیکھنے میں لگتا ہے کہ دنیا کے مولوی حضرات کوئی اکائی ہے حقیقت میں یہ سب وہی ہیں

جو اللہ عالم الکل اپنا آخری نبی پر ظاہر کیا تھا کہ لباس "کرتے" پگڑی اور دیگر ظواہر سے تو تم کو لگتا ہے کہ یہ ایک ہیں حقیقت میں یہ سب خود متفرق ہیں اور معاشرہ کے لئے متفرق کن تحسبہم جمیعا و قلوبہم شتی" اور اپنے بزرگ ' مولانا تھانویؒ کے خلیفہ اور دیوبند سے فارغ التحصیل حافظ جی مرحوم کی دعوت خلافت کے حشر اور خود ان کے "اسی وسوسۃ الشیاطین کے شکار" ہونے کی داستان بیان کر کے کہ بندگان خدا دعوت خلافت ی طرف نہیں ' ان کی اپنی ذات کی طرف کھنچے چلے آرہے ہیں ' انہوں نے لکھا ہے کہ "آپ کو ذرا تفصیل سے یہ واقعہ ذکر کا مقصد یہ ہے کہ خلافت اللہ فی الارض کے لئے داعیوں کو احبار و رھبان سے تعلیمات قرآن کے رو سے بچ کر چلنا ہوگا۔ علما کی قیادت میں خلافت کا تصور ہی خلاف فطرت ہے۔ داعیان اگر صحیح مومن ہونگے تو یہدیہم ربہم بایمانہم ان کا مقدر ہوگا"۔

مولانا کی اس بات نے چونکا دیا ہے کہ "پاکستان میں جن لوگوں نے جناح کے قبر پر یادگار تعمیر کیا ' لاہور میں مینار پاکستان بنایا اور حال ہی میں باب پاکستان کا اضافہ کیا ' یہ سارا کا سارا مصری فراعنہ کے اوتاد کے پیرو کار ' ہسپانوی قصر الحمراء اور ہندوستان کے ستیزہ کاروں کے تاج محل' قطب مینار کے نقال ہیں ' ان کا انجام بھی ان سا ہوگا۔ اسی لئے موجودہ پاکستان کا حدود اربعہ اور خدو خال اس ناچیز کو الہامی طور پر قیام خلافت کے مبارک ترین کام کے لئے غیر موزوں لگتا ہے" اور یہ خیال بھی قابل غور ہے کہ " آپ پاکستان سے خلافت اسلامیہ کی دعوت دے رہے ہیں ' مسلم لیگ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے آپ کے بقول آپ کو پاکستان دیا ' جناح کا مدح سرا ہیں کہ ان کو قائد اعظم علیہ الرحمت سے ذکر کرتے ہیں۔ اگر یہی ادا دیگر مسلم ممالک میں رہنے والے خلافت اسلامیہ کے داعیان اپنا کر بنگلہ دیش والے حضرت مجیب الرحمن علیہ الرحمت ' انڈونیشیا والے حضرت سوئکارنو علیہ الرحمت ' مصر والے حضرت جمال عبدالناصر علیہ الرحمت اور ترکی والے حضرت کمال پاشا علیہ الرحمت کہنے لگے تو کیسا ہوگا؟ عصبیات اور قومیات کے تازہ خداؤں کو توڑ کر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی بنیاد پر خلافت ملت واحدہ کا عالمی اور وحدانی پرچم بلند کرنے کے لئے اگر مسلم داعیان اپنا اپنا سامریوں کا بت بغل میں لے کر اکھٹے ہوتے ہیں تو اس کا منظر کیسا ہوگا؟ اور الہ واحد کے دربار عالیہ میں اس کی پذیرائی کیسی ہوگی ؟ کیا اس صورت میں وہ "تحسبہم جمیعا و قلوبہم شتی" کا مصداق نہیں ہونگے؟" جبکہ "علیہ الرحمت" کا مطلب عام اس سے کہ ڈاکٹر صاحب اسے استعمال بھی کرتے ہیں یا نہیں ' لفظ "مرحوم" کے مفہوم سے زیادہ مختلف نہیں اور یقیناً "رحمت اللہ علیہ" کے قریب بھی نہیں پھٹکتا جس کے استعمال کا اہل دین میں ایک مخصوص قرینہ ہے۔

خلافت کی آرزو دلوں میں پالنے والے گوش حقیقت نیوش وا رکھ کر سن لیں ' مولانا خبردار کررہے ہیں کہ " آپ جس خلافت کی دعوت اٹھا رہے ہیں وہ اگر ظاہر و باطن سے منہج نبویؐ پر ہو تو موجودہ مسلمانوں کی زمینوں پر قابض ان کی ساری حکومتیں اور روایتی مدارس اور اس کے علماء اور ائمہ مساجد آپ اور آپ کے ساتھیوں کے خلاف ایک زبان ہوجائیں گے۔ جب ایسا ہونگے تب آپ کو سمجھنا ہوگا کہ آپ کی دعوت صحیح مقام سے صحیح سمت کی طرف ہے۔ موجودہ سیاست اور اس کے سارے کارندے شیطان کے نزغ اور تخبط سے سیاست کو اپنا پیشہ اور نشہ کے طور پر اپنایا ہوا ہے۔ اور مذہبی علماء بھی جو اجرت علی الطاعت اور دینی کام کے عوض لوگوں سے پیسے ' خواہ وہ زکوٰۃ کے نام پر یا چندہ یا ہدایا کے نام ہو' وصول کرتے ہوں ' دین ان کا پیشہ ہے۔ دین اور خدمت خلق کو پیشہ بنانا ساری گناہ کبائر کی ماں ہے۔ اسلامی خلافت کے معاشرہ میں سیاسی خدمات اور مذہبی خدمات کسی کا پیشہ ہونا ناقابل تصور ہے۔ خلافت اسلامیہ میں سیاسی خدمت اور دینی خدمت ہر مومن انسان کا واحد مقصد حیات اور عبادت ہوتی ہے۔ اس لئے آپ تحریک خلافت کی دعوت جب تبدیل معاشرہ کی عملی شکل کی حیثیت سے ابھارنے لگے گی تو یہ سیاست اور دین کے تجار آپ کے اور ہمارے سخت ترین دشمن ہونگے۔ کیونکہ خلافت کا قیام ان دونوں کے پیشہ کے لئے موت کی گھنٹی یا "اجل لاریب فیہ" ہوگی" اور یہ کہ " اللہ تعالی اپنی فطرت کی تجسید کے لئے اپنا خلیل ابراہیمؑ کو کلماتی امتحان سے بنی نوع انسان کی امامت کے لئے چنا ' پھر ان کے نسل میں جو سیاسی یا مذہبی پیشہ ور ہونگے ' ان کو لاینال عہدی الظالمین کہہ کر امامت کی اہلیت سے خارج کردیا۔ اب انہی دو عہد شکن ظالموں کی حکومت میدان سیاست اور مذہبی حلقوں میں ہے"۔ پھر یہ وعید کتنی سخت ہے کہ "جب دنیا کے موجودہ سیاسی اور مذہبی متکبرین خلافت اسلامیہ کی اذاں کی صدائے بازگشت عوام الناس میں پھیلتے دیکھیں گے تو "لا یرقبون فی مومن الا و لا ذمہ" کے مصداق داعیان خلافت اور ان کے ساتھیوں کے لئے سارے منبر و محراب' مساجد و مدارس کے دروازے کلیتہ بند کردینگے" تاہم اس کا حل ان کے خیال میں یہ ہے کہ " اسی صورت حال سے نبٹنے کے لئے اللہ قادر مطلق نے آخری نبیؐ اور ان کی آخری امتی کے لئے ساری زمین کو پاک اور مسجد جامع بنا دیا۔ انما جعلت لی الارض مسجدا و طهورا۔ اس میں ہمارے لئے ہدایت ہے کہ اگر متکبرین اور ان کے اہلکار تمہاری راہ روکنے کے لئے مساجد و معابد کے دروازے تمہارے لئے بند کریں ' اور دینگے بھی ' تب تم خواص کی تعلیم و تربیت کے لئے اپنا گھروں کو استعمال کرنا (واجعلوا بیتکم قبلہ) اور دعوت عوام کے لئے Strert Power کا میدان ' مسجد ارض اللہ الواسعہ کو استعمال میں لانا"۔

اس تفصیل کو بیان کرنے کے بعد کہ "عالمی اسلامی خلافت کی نشاۃ کے پیاسوں کو ایرانی انقلاب سے سیرابی حاصل نہیں ہوگی۔ یہ بات واضح ہوجانے کے بعد اب دنیا کے مسلمانوں کو ایک شیعہ سنی جیسی فرقہ پرستی سے پاک انقلابی دعوت کا بے چینی سے انتظار ہے" اور " ویستبدل قوما غیر کم ثم لایکونوا امثالکم " کے خدائے وعدے کی روشنی میں یہ بتا کر کہ "عراقی صدام حسین آل صباح اور آل سعود کی قیادت میں عربوں کا حالیہ خباثت کی انتہاء صحیح العقیدہ و العمل عجمی مسلمانوں کے عروج کی ابتدا کی طرف مشیر ہے" وہ لکھتے ہیں کہ " مذکورہ بالا اشارے اور امکانات کے پیش نظر اس ناچیز کی رائے یہ ہے کہ تحریک خلافت کی عالمی اذان بلند کرنے کے لئے اس وقت ذہن میں پورا بر صغیر کو مرکز بنا کر میدان عمل میں کودنا ہوگا۔ افغانستان ' پاکستان' مسلمانان ہندوستان اور بنگلہ دیش پر محیط تنظیمی ڈھانچہ روحانی اشارے اور ایمانی فراست سے تشکیل دے کر بسرعت کام شروع کرنا فریضہ وقت ہے۔ آخری زمانے میں حوادث کی رفتار بہت تیز ہوگی ' اسی لئے خلافت کے فرسان کی رفتار حوادث سے ضرور تیز تر ہونا

ہوگا۔ کیونکہ یہی خدا کے بندے براق پر معراج کرنے والا نبیؐ آخر الزمان کے وارث ہونے والے ہیں ۔ لادین اشتراکی روسی دنیا اور بددین مادہ و ہوس پرست مغرب اور ان کے حلفاء دنیا میں ہیکل ابلیس کا یمین و شمال تھے ۔ زھوق باطل کا سرطان روسی سامراج کے زوال کی شکل میں شیطانی دنیا کا آدھا جسم کھا گیا اور بقیہ نصف جسم میں بلا کی رفتار سے وہ سرایت کررہا ہے۔ جورج بوش کا New World یا One World کے قیام کے لئے دوڑ دھوپ مغرب کا مفلوج وجود کی حتمی موت کا پیش خیمہ ہے اور بوش کا جاپان کا دوران عشائیہ Collapse ہوجانا یا غش کھانا ھل اتک حدیث الغاشیہ کے وقوع پذیر ہونے کا علامت ہے ۔ قیامت کے دن جو حشر ہوگا اسی کے نمونہ پر حضورؐ کے ہاتھ مدینہ میں یہود کی جلا وطنی کا واقعہ جیسا اول الحشر تھا ۔ ان شاء اللہ اس دنیا میں ہی یہود و نصاریٰ کی گٹھ جوڑ کو غاشیہ قیامت سے پہلے ایک "اول الغاشیہ" سے دوچار ہونا پڑے گا"اور آخر میں نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ "موجودہ دور میں مسلمانوں کا جو گروہ یا افراد مذہبی جمہوریت ' نظام انتخاب ' نظام پارلیمانٹ ' نظام حکومت اور نظام مالیات کو کافرانہ سمجھتے ہیں اور دل و جان سے ناپسند کرتے ہیں ' یہی لوگ مسلمانان حنیف ہیں ۔ یہی لوگ عالمی خلافت اسلامیہ کے "سابقون الاولون" کی حیثیت سے چنے جاسکتے ہیں۔ اب داعی اور ان کے ساتھیوں کا فریضہ وقت ہے کہ ایسے لوگوں سے رابطہ کرکے ان کو ایک جا کریں ۔ مزید وقت ضائع کئے بغیر اب افغانوں ' پاکستانیوں ' ہندوستانیوں ' اور بنگلا دیشیوں میں سے ایسے اللہ کے بندوں کو ایکجا کرنے کا رابطہ مہم شروع ہونا ضروری ہے ۔ اس میں کچھ پیش رفت ہونے کے بعد سوویت دھریت سے نو آزاد مسلم ملکوں تک "حبل اللہ" کی رسی کو پھیلانے کا اقدام کرنا ہوگا ۔ نصف صدی سے زائد کفر و الحاد کے زیر ' پابند سلاسل رہنے کے بعد ہوسکتا ہے کہ ان کے مسلم باشندوں کو رجوع الی الاصل کے لئے محرک مرکز دعوت کی تلاش ہو"۔

آخر میں مولانا امام الدین محمد طہ کا تخیل ایک جست بھرتا ہے ۔" ہمارا وجود مشیت ایزدی کے معجزہ ہے ۔ کیا آپ اور ہم کے لئے ممکن ہے کہ اب اور اسی گھڑی ہم قم باذن اللہ و شریعتہ علی ملت خلیلہ ابراہیمؑ و علی سنتہ حفیدہ محمدؐ کی ندائے ایک صدا بلند کر کے الی ذاھب الی ربی سیھدین کہہ کر گھروں سے خفافا و ثقالا جو میسر نکل پڑیں اور بالیدہ رسم و رواج کو پامال کریں ؟ الجزائر میں رونما ہونے والے وقائع سید مودودی مرحوم کے سیاسی شاگردوں کی بھی چشم کشائی نہیں کرتی کہ سیاست سے سیاست کا مقابلہ مردان مومن کو منزل نہیں دیکھائے گا؟ برصغیر سمیت دنیا میں رونما ہونے والی حالات میرے خیال میں ضرور جماعت اسلامیوں اور اخوان المسلمون جو مخلصین ہیں ان کو جھنجھوڑ رہی ہوگی ۔ آپ پاکستان میں ابو الاعلی مرحوم کا اعلیٰ ترین شاہکار تفہیم القرآن کو تھام کر باقی دیگر تفہیمات کو خیرباد کہنے کے لئے تیار بندگان خدا کو رجوع الی القرآن کی دعوت نو دیجئے ۔ دینی حلقوں میں جو سلالہ طیبہ اور اکل الطیب کے علماء ہیں ان کو بھی خصوص توجہ دلائیں ۔ مجھے امید قوی ہے کہ و لتکن منکم امہ کے مصداق ایک سرخیل جماعت ابھر آئیگی ۔ بنگلہ دیش میں جماعت کی ماضی و حال کیوجہ یہاں کسی انقلابی اسلامی تحریک کا آغاز کرنا مشکل ہے ۔ یوں یہاں اردو اور عربی تعالیم کے دینی مدارس ۷۱ میں یحییٰ خان پاکستانی اسلام کے دفاع کیوجہ جو کمر توڑ مار کھایا ہے اب تک ۷۱ کے پہلے کی حالت تک سنبھال نہ سکا ۔ یہ کمزور مدارس دینیہ بھی کلیتہ زکوٰۃ صدقات اور قربانی کی کھالوں کے پروردہ ہیں ۔ روایتی علماؤں کی قیادت بنگلہ دیش میں موجودہ صورت حال میں خارج از تصور ہے عوام بری طرح پسا ہوا ہے اندر اندر ایک بلکانی انفجار کا لاوا پک رہا ہے ۔ قرب و جوار کے کسی ملک میں اگر کوئی کامیاب اسلامی انقلاب کا نمونہ قائم ہوجاتا تو سمندری طوفان کی طرح بنگلہ دیش میں اچانک تبدیلی آجائے گی ۔

پاکستانی معاشرہ میں تحریک تدریجی طور پر زور پکڑ یگی ' ہندوستانی مسلمانوں میں تبلیغی ڈھنگ کار آمد رہے گا اور بنگلہ دیش میں طوفانی ' افغانستان کے میدان کار زار میں روس کام آنے کے بعد امریکا بواسطہ بھارت اور بھارت بواسطہ امریکا اس میں الجھتے جارہا ہے ۔ اس ناچیز کو لگتا ہے کہ قدرت نار نمرود کے انتقام میں دنیا کے اس آخری زمانہ میں ایک نار ابراہیمی کی بھٹی تیار کررہی ہے ۔ ہماری پہاڑی افغانستان اور اس کے درے اس کا محل وقوع ہے ۔ جہاد افغانستان اس کا شروع ہے اور روس کا خاتمہ اس کا نمونہ ہے ۔ ایسا ہی ان شاء اللہ العزیز امریکی سامراج ' ہندوستانی رام راج اور دیگر طوا غیت اپنی اپنی طاقتوں کو آزما کر کمزور ہو کر متحدہ اسلامی طاقت کے ہاتھ آخری دم ٹوڑ دینگے ۔ اسی لئے پاکستان کو وہ مرکز میں تبدیل کرنا ہوگا جہاں سے نار ابراہیمؑ کی آگ پھونکی جائیگی ۔ ساتھ ہی ساتھ وہاں سے وسطی ایشیا مسلمانوں اور ہندوستانی مسلمانوں میں صحیح فہم اسلام کا خون فراہم کرنا ہوگا۔ دین اللہ کا عالم گیر سیلاب کا سر چشمہ یہیں کسی عجمی خطہ ارض ہوگا جو آخر کار ماء زمزم بن کر بلاد عرب سمیت ساری دنیا کو کفر و شرک باللہ کی نجاست سے پاک کریگا ۔ اور یکون الدین کلہ للہ وجود میں آکر کرہ ارضی کے سرزمین میں بسنے والے سارے نبی نوع انسان یک زبان ہو کر پڑھیں گے اللھم صلی علی محمدؐ و علی ال محمدؐ کما صلیت علی ابربیم وعلی ال ابربیم انک حمید مجید اور یوں دنیا میں معراج انسانیت مکمل ہوگا ۔ واللہ اعلم "گویا ع " محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی "۔○

مولانا محمد طاسین کی معرکۃ الآرا تصنیف

مروجہ نظام زمینداری اور اسلام

عمدہ سفید کاغذ' دیدہ زیب طباعت' خوبصورت اور مضبوط جلد

قیمت ۵۰ روپے

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، ۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن

گذشتہ سے پیوستہ

ہم پس ماندگان کو مغربی آقاؤں نے درس جمہوریت کیوں دیا!

کیا جمہوریت اسلامی ہو سکتی ہے؟

صحافت کا کاروبار بھی اسی نظام حکومت میں چلتا ہے

علامہ شہزادہ لطیف طاہر

(پہلی قسط کے لئے گذشتہ سے پیوستہ شمارہ ملاحظہ ہو)

جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے علاوہ سیاست دانوں میں ایک اور طبقہ شامل ہے جو اپنی تعلیمی استعداد اور ذہانت کے سہارے اس میدان میں در آیا ہے۔ یہ وکلاء اور دیگر اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ہیں جن کی صلاحیتوں سے انکار کرنا ممکن نہیں لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ یہ بھی انگریزی طرز تعلیم کے پروردہ ہیں جو ایک صدی میں طلباء کی اس طرح برین واشنگ کر چکی ہے کہ یورپ کی تقلید ہر معاملہ میں ان کی زندگی کا ماحصل بن چکی ہے۔ اگر جمہوری حکومت نہ ہو اور سینکڑوں کی تعداد میں ممبران اسمبلی اور وزیروں کی اسامیاں نہ ہوں تو وہ زیادہ سے زیادہ کوئی اچھی ملازمت تو کر سکتے ہیں لیکن وزیر نہیں بن سکتے لہٰذا ان کے لئے بھی جدید جمہوریت کا نظریہ کسی آسمانی صحیفے سے کم نہیں۔ ان کے نزدیک جمہوریت قائم رکھنے کے لئے یہی جواز کافی ہے کہ یہ یورپ سے درآمد کی گئی ہے اور یورپ کی کسی چیز میں خامی ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ اپنی ذہانت اور تعلیم کے باعث ان کو جو اقتدار ملا ہے وہ جمہوریت ہی کے طفیل ہے۔

دریں حالات ہمارے ہر قسم کے سیاستدان حکومتی ایوانوں میں جمہوریت کے استحکام کے لئے ہمہ تن مصروف ہیں اور ایوان حکومت سے باہر اخباری بیانات اور عوامی تقریروں میں لوگوں کو مسلسل جمہوریت کا درس دیتے اور اس نظام کے گن گاتے رہتے ہیں۔ وہ جمہوریت کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے عوام میں یہ تاثر پھیلاتے ہیں کہ "جدید جمہوریت" ایسی نعمت ہے کہ اس کے سوا کوئی بھی نظام حکومت اختیار کیا گیا تو ملک میں قیامت آ جائے گی۔ حشر بپا ہو جائے گا۔ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑ جائیں گے اور ہر چیز تہس نہس ہو جائے گی۔ حکومت کے امور میں سیاسی رہنماؤں کی طرح سرکاری افسر بھی بڑی مسلمہ اہمیت کے حامل ہیں اور ان کے لئے بھی جدید جمہوریت جنت شداد سے کم نہیں۔ انگریزی دور حکومت میں وہ انگریز بہادر کے نائب کی حیثیت رکھتے تھے اور انگریزوں کے ذریعے پورے ملک پر حکومت کرتے تھے۔ انہیں تمام دفتری ہدایات اگرچہ اصل حکمرانوں کی طرف سے جاری ہوتی تھیں لیکن عوام کے سامنے انہی کے چہرے ہوتے تھے لہٰذا وہ خود کو انگریزوں سے کم نہ سمجھتے تھے۔ پاکستان قائم ہوا تو ان کی ملازمتیں بدستور قائم رہیں۔ فرق صرف یہ ہوا کہ اب انہیں انگریزوں کی بجائے مقامی سیاستدانوں کے احکام کی تعمیل کرنی پڑی۔ یہ ان کے حق میں پہلے سے بھی بہتر ہوا کیونکہ انگریز تو ان کی کارکردگی پر گہری نگاہ رکھتے تھے اور کسی بھی غلطی پر شدید باز پرس ہوتی تھی لیکن اب یہ عالم ہوا کہ۔ ع "سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کا ہے کا"۔ صورت حال یہ ہے کہ وہ صرف وزراء کے احکام کے پابند ہیں اور وزراء وہی سیاستدان ہیں جو حکومتی معاملات میں ان کی نسبت بہت کم تجربہ رکھتے ہیں۔ وہ کسی نہ کسی طرح عوام سے ووٹ لے کر وزیر تو بن جاتے ہیں لیکن افسروں سے خود بھی خوفزدہ رہتے ہیں کیونکہ افسران تعلیم اور حکومتی امور میں ان سے عموماً برتر ہوتے ہیں۔ دفتری کارروائی بھی ان کی تحویل میں ہوتی ہے لہٰذا وہ معمولی سے کاغذی ہیر پھیر سے کسی بھی وزیر کی لٹیا ڈبو سکتے ہیں یا کسی بھی سربستہ راز کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ سکتے ہیں۔ اس طرح خود وزراء ان کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں چنانچہ انہیں افسروں پر افسری کرنے کی بجائے ان سے دب کر رہنا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے وزیروں سے افسروں کو کیا خوف لاحق ہو سکتا ہے خصوصاً جب انہیں یہ بھی معلوم ہو کہ ان کے مقابلے میں وزیروں کی نوکری کچی ہے۔ یاد رہے کہ یہ صورتحال پاکستان ہی میں نہیں بلکہ ان ملکوں میں بھی یہی کیفیت ہے جو جدید جمہوریت کے سب سے بڑے داعی ہیں۔ اور اگر کسی اسلامی ملک میں جمہوریت کی بجائے دینی حکومت قائم ہو جائے تو افسروں کے لئے گرمی کے موسم میں کوئٹہ سے اتر کر جیکب آباد جانے والی بات ہو جاتی ہے۔ لہٰذا افسر شاہی ہر جگہ "جدید جمہوریت" کو قائم و دائم رکھنے کے لئے سرگرم کوششوں میں مصروف رہتی ہے اور اس کے مقابلے میں کسی بھی دوسرے نظام کی راہ میں شدید ترین رکاوٹ ہے۔

جدید جمہوریت کا پراپیگنڈہ کرنے اور اس بارے میں عوام کی برین واشنگ کرتے رہنے میں ذرائع ابلاغ اور اخبارات کا حصہ بھی دیگر عوامل سے کم نہیں۔ ذرائع ابلاغ تو براہ راست ان افسروں کے قبضہ قدرت میں ہوتے ہیں جو جمہوریت کے شیدائی ہیں اور ان سیاست دانوں کی تحویل میں ہوتے ہیں جو جمہوریت ہی کے طفیل اقتدار پر چھائے ہوتے ہیں لہٰذا شب و روز جمہوریت کے حق میں پراپیگنڈہ کرنا ذرائع ابلاغ کا

فرض اولین ہے لیکن اس معاملے میں اخبارات ان سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں کیونکہ ان کی محفل کی تمام تر شادابی سیاسی سرگرمیوں کے دم قدم سے ہے۔ سیاسی رہنماؤں کی باہمی نوک جھونک کو نمک مرچ لگا کر خبریں بنانا' اسمبلی میں بحث و تمحیص کو میدان جنگ کی فتح و شکست کے روپ میں پیش کرنا' سیاسی جماعتوں کی اشتہار بازی کرنا' لیڈروں کے ذاتی اور سیاسی کردار کو زیر بحث لانا' سیاسی جوڑ توڑ پر تبصرے کرنا اور برسر اقتدار جماعت کی کاسہ لیسی کر کے یا شاید انہیں بلیک میل کر کے اشتہارات حاصل کرنا وغیرہ ان کا کل سرمایہ قلم ہے۔ ان کی ساری محفل ناز شمع جمہوریت کی روشنی سے تابندہ ہے۔ لہٰذا وہ ہمہ وقت جمہوریت کو پاکستان کا جزو لاینفک بنائے رکھنے کے لئے عوام کی برین واشنگ میں اپنا اہم ترین رول ادا کرتے رہتے ہیں۔ اور اس معاملے میں اتنے الرجک ہیں کہ اگر جدید جمہوریت کے خلاف کہیں ایک فقرہ بھی غلطی سے شائع ہو جائے تو اس کی تردید میں ہفتوں کالم سیاہ کرتے رہتے ہیں۔

اس ضمن میں ایک مختصر سا واقعہ عرض کرتا چلوں۔ صدر ضیاء الحق مرحوم نے جمہوریت کی تجدید کا ارادہ کیا تو ان کے سامنے یہ سوال ابھرا کہ انتخابات جماعتی ہوں یا غیر جماعتی۔ میں نے غیر جماعتی انتخابات کے حق میں ایک پر دلائل مضمون لکھ کر "نوائے وقت" لاہور کو بھیجا جس میں جمہوریت کی مکمل نفی نہ تھی صرف باہمی محاذ آرائی میں ذرا سی کمی کا امکان تھا لہٰذا اسے شائع نہ کیا گیا۔ بعد ازاں انصاری کمیشن نے بھی یہی فیصلہ دیا تو نوائے وقت نے اس کے خلاف اداریہ لکھ مارا۔ مجھے معلوم ہوا کہ "یہاں کچھ میرے راز داں اور بھی ہیں" تو میں نے جناب مجید نظامی سے صرف اتنا سوال کیا کہ اگر میرا مضمون غیر معیاری ہوتا تو میں اس کی اشاعت پر اصرار نہ کرتا لیکن ایک کمیشن نے اس کی تائید کی ہے تو کیا میرا مضمون محض اس لئے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا گیا ہے کہ آپ کی ذاتی رائے اس سے مختلف تھی۔ اگر یہ درست ہے تو پورے عالم صحافت کا یہ دعوی کیسے درست ہو سکتا ہے کہ اخبار عوام کے ترجمان ہوتے ہیں۔ جب کہ عوام کی رائے کی بجائے ایڈیٹر جس چیز کو پسند کریں صرف اس کے حق میں چھاپا جا سکتا ہے۔ دریں حالات صاف ظاہر ہے کہ اخبارات اپنی بقاء کے لئے جدید جمہوریت کو قائم رکھنا چاہتے ہیں اس لئے اس کے حق میں عوام کی مسلسل برین واشنگ میں اہم ترین رول ادا کر رہے ہیں۔

پاکستان میں جدید جمہوریت کے قیام و دوام کا ایک سبب یہاں امریکی اثر و نفوذ بھی ہے۔ ہمارے رہنماؤں کے ایک کثیر طبقے کو انگریزوں سے اثر پذیری ورثے میں ملی ہے۔ برصغیر کی آزادی کے بعد انگریزوں کو اپنا گھر سنبھالنا مشکل ہو گیا تو یہ لوگ ذہنی طور پر پرانے آقاؤں کے آقا امریکہ کے زیر اثر آ گئے۔ وہ اپنی باہمی رنجشوں کی شکایت لے کر یوں واشنگٹن کا رخ کرنے لگے جیسے دو بچے جھگڑ کر معاملہ باپ کے پاس لے جاتے ہیں۔ دوسری طرف اس نوساختہ ملک میں کفایت شعاری کی بجائے سامان آرائش سے ملکی سطح تک فضول خرچی کو وطیرہ بنایا گیا۔ قیمتی کاروں اور جدید ایجاد کردہ غیر ضروری اشیاء پر ہر سال اربوں روپے کا زرمبادلہ ضائع کیا گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ قرضوں کے حصول کو سالانہ بجٹ کا مستقل حصہ بنانا پڑا اور اب قرضے کے بوجھ میں دبے ہوئے عوام نے امریکہ کو اس حد تک ان داتا سمجھ لیا ہے کہ اس سے قرض لئے بغیر اپنے ملک کو چلانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

آزادی سے قبل برصغیر دنیا بھر میں سونے کی چڑیا کے نام سے مشہور تھا اور اس کا شمالی حصہ جو اب پاکستان کے نام سے موسوم ہے' زرعی پیداوار کے اعتبار سے پورے جنوبی ایشاء میں سرفہرست تھا لیکن اب ہماری کوتاہ اندیشیوں کے باعث افلاس کی بھٹی کا ایندھن بن کر امریکی قرضوں کے عوض گروی رکھ دیا گیا ہے اور قرضوں کے دباؤ میں امریکہ کی طرف سے سخت پابندی عائد ہے کہ یہاں جدید جمہوریت کو فروغ دیا جائے لہٰذا پاکستان میں جدید جمہوریت جاری رکھنے میں اس مجبوری کا بھی معتدبہ حصہ شامل ہے۔

ان حالات میں صرف علمائے دین کا طبقہ ہے جس سے امید کی جا سکتی تھی کہ وہ یا تو اسی جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کریں گے یا کسی اور ایسے طرز حکومت کا خاکہ تیار کریں گے جو اگر خلافت راشدہ کی طرح مکمل اسلامی نہ ہو تب بھی اسلام سے قریب تر ہو لیکن یہاں بھی بہت سے عوامل سد راہ ہوئے ۔ انگریزی حکومت کے ابتدائی دور ہی میں جب جدید طرز کے اسکول قائم ہوئے تو نصاب تعلیم اس طرح مرتب کیا گیا کہ وہاں صرف ایسے کلرک یا افسر پیدا کئے جا سکیں جو حکومت کے کارندے بنیں۔ اسلامی تعلیم کا ان اسکولوں میں نام تک نہ تھا۔ اس صورت حال نے درد مند مسلمانوں کو دو واضح حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک گروہ نے مسلمانوں کی معاشرتی حیثیت برقرار رکھنے کے لئے انہیں رفتار زمانہ کا ساتھ دینے پر زور دیا تو دوسرے گروہ نے سرے سے انگریزی پڑھنا ہی کفر قرار دے دیا۔

عامۃ المسلمین میں جو بچے جدید اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے لگے ان کے پاس اتنا وقت نہ رہتا کہ اسکول کی مصروفیات کے بعد دینی تعلیم کے لئے الگ وقت نکال سکیں لہٰذا وہ اسلام سے دور ہوتے چلے گئے۔ زیادہ سے زیادہ اتنا ہو سکا کہ ناظرہ قرآن پڑھ لیا جس کا نتیجہ یہی ہوا کہ ان کے ذہن اسلام کی بجائے مغربی نظریات سے زیادہ متاثر ہوئے۔ ان کے مقابلے میں علمائے کرام نے دینی تعلیم کی ترویج کے لئے مساجد کے ساتھ مدرسے قائم کئے لیکن وہ قرآن ' حدیث' تفسیر اور فقہ میں محدود ہو کر رہ گئے ۔ ان مدرسوں میں جدید عصری تعلیم کو کوئی جگہ نہ دی گئی۔ چنانچہ یہاں کے فارغ التحصیل طلباء پر ملازمتوں کے دروازے بند رہے اور مساجد میں امامت کے سوا انہیں کوئی ذریعہ معاش میسر نہ آ سکا اور معاشرے میں بھی انہیں کوئی نمایاں مقام نہ مل سکا تاہم عوام میں انہیں ایک خاص احترام حاصل رہا۔ آزادی سے قبل جو علماء سیاست کے میدان میں اترے' ان کی پذیرائی بھی ہوئی کیونکہ ایک تو مسلمانوں کا ہندوؤں سے مقابلہ تھا اور دوسرے غیر ملکی حکومت سے آزادی کا مسئلہ درپیش تھا۔ جب علمائے کرام ان دو مقاصد کی تکمیل کا جذبہ لے کر سیاست میں آئے تو ایک متعین راستہ ان کے سامنے تھا لہٰذا عامۃ المسلمین اس لئے بھی انہیں سر آنکھوں پر بٹھاتے کہ ہم دینی علم میں پیچھے رہ گئے ہیں تو علمائے کرام سے تعاون کر کے کسی حد تک اس کی تلافی کر لیں۔

قیام پاکستان کے بعد علمائے کرام نے بھی نئے انداز میں حالات کا جائزہ لیا۔ لیکن سیاست میں کودنے والے علماء بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک حصہ نے صدق دل سے عوام کی خیر خواہی کے پیش نظر سیاسی رہنماؤں کے دوش بدوش کھڑا ہونے کی کوشش کی لیکن ان کے پاس نہ تو جاگیروں اور سرمایہ کی طاقت تھی نہ تعلیم یافتہ سیاستدانوں کی طرح وہ جدید علوم سے آراستہ تھے

باین ہمہ انہوں نے اپنی دینی تعلیمی استعداد سے زیادہ بلند پروازی کی تو جدید یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل طبقہ کی تقلید میں جدید نظریاتی سازشوں کا شکار ہو گئے۔ اور "دام ہمرنگ زمیں بود رفتار شدیم"۔ کے مصداق اسی جمہوریت کو عین اسلام قرار دینے کی غلطی میں مبتلا ہو گئے۔ سبب یہی تھا کہ انہوں نے جن دینی مدارس میں تعلیم پائی تھی وہاں جدید نظریات پر تحقیق کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اس طرح انہیں جدید جمہوریت کے خفیہ بنیادی مقاصد سے آگاہی نہ ہو سکی۔ علاوہ ازیں قرآن حکیم میں باہمی مشورے کا حکم سامنے تھا اور جدید جمہوریت میں بھی عوام سے مشورہ لینے کا عنصر موجود ہے لہٰذا انہوں نے فیصلہ دے دیا کہ جمہوریت اور اسلامی نظام حکومت میں کوئی فرق نہیں۔ یہ نہ سوچا کہ کیا چودھویں صدی کے کفار اتنے ایماندار ہو گئے ہیں اور اسلام سے اس حد تک متاثر ہو گئے ہیں کہ خلفائے راشدہ کی تقلید انہوں نے اپنا لی ہے اور اپنی جمہوریت کو خالص اسلام کے سانچے میں ڈھال لیا ہے یا پھر اسے اسلام کے عین مطابق کہہ کر ہم سے مذاق کیا جا رہا ہے۔

ہمیں ان علمائے دین کے خلوص نیت پر شبہ نہیں۔ ہمیں تسلیم کہ ان میں نہ شعور کی کمی ہے نہ ان کے دلوں میں حب دین کا فقدان ہے۔ علم دین میں بھی انہیں بلند مقام حاصل ہے لیکن اس حقیقت سے صرف نظر کرنا آسان نہیں کہ دینی مدرسوں کی تعلیم جدید فنی تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ۔ ان مدرسوں کے فارغ التحصیل طلباء معاشرتی کم مائیگی کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں ۔ اگرچہ جدید اسکولوں کے طلباء کی طرح اعلیٰ سطح پر ان کی برین واشنگ نہیں ہوئی پھر بھی ان میں اتنی صلاحیت پیدا نہ ہو سکی کہ عصر حاضر کی پر اسرار سازشوں سے دامن بچا کر چل سکتے لہٰذا وہ بھی جدید جمہوریت کی تباہکاری سے انہی لوگوں کی طرح متاثر ہو گئے جن کے ذہن انگریزی تعلیم کے باعث جدید نظریات سے زہر آلود ہو چکے تھے۔

علمائے دین کا دوسرا طبقہ علمائے سو پر مشتمل ہے جن کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا تھا کہ علم حاصل کرنے کے بعد امراء کی دلہیزیں تلاش کریں گے۔ انہوں نے دیکھا کہ سیاست میں لوٹ مار کا بازار گرم ہے اور سیاستدان اپنے ہاتھ رنگنے میں معروف ہیں تو خود بھی اسی راستے پر چل نکلے کہ حصول اقتدار میں ہم کیوں پیچھے رہیں گویا۔

کھیتوں کو دے لو پانی اب بہہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو نوجوانوں اٹھتی جوانیاں ہیں

ان کے پاس ووٹ خریدنے کے لئے سرمایہ کی قلت مانع تھی اور تعلیم یافتہ سیاستدانوں کی طرح جدید علوم کا بھی فقدان تھا لہٰذا انہوں نے اپنے اپنے فرقے کے نام پر سیاسی جماعتیں بنا لیں اور اب ایک بھی بڑا فرقہ ایسا نہیں جس میں اپنے ہم مسلک عوام کے سہارے سیاسی جماعت نہ بنالی گئی ہو۔ بہرحال ان علماء کے حصول اقتدار کی خواہش بھی جمہوریت ہی میں پروان چڑھ سکتی تھی اس لئے انہوں نے بھی جدید جمہوریت کو عین اسلامی تقاضوں کے مطابق قرار دے دیا۔

باقی رہ گئے بیچارے عوام ' تو ان کے سیاسی شعور کا اندازہ اس امر سے لگائیے کہ ہر شہر میں ہر قسم کے دوکانداروں نے اپنی اپنی انجمن بنا رکھی ہے اور عوام کے خلاف متحدہ محاذ بنا کر مسلسل مہنگائی بڑھاتے جا رہے ہیں لیکن عوام یہ نہیں کر سکتے کہ ان کے خلاف صارفین کی انجمن بنا کر اپنے حقوق کا تحفظ کر سکیں اور ان کی لوٹ مار سے بچ سکیں' بالکل اسی طرح سیاسی میدان میں بھی سیاسی رہنما اور سیاسی علماء عوام سے ووٹ حاصل کر کے انہی کے سرمائے سے عیش و عشرت میں معروف ہیں لیکن عوام ان سیاست بازوں کی دسیسہ کاریوں سے محفوظ رہنے کے لئے کوئی عملی قدم اٹھانے سے قاصر ہیں۔ وہ مسلسل ان لوگوں کو اپنا رہبر و رہنما سمجھ رہے ہیں جو انہی کے مفلوج جسموں کے ڈھیر پر کھڑے ہو کر اپنا سربلند کرتے ہیں۔

اس معاملہ میں جہاں عوام میں شعور کی کمی کا دخل ہے وہاں اس امر سے بھی قطع نظر نہیں کیا جا سکتا کہ جمہوری سیاست خارش کی طرح بڑا لذیذ مرض ہے جو تکلیف دہ ہونے کے باوجود ہلکا ہلکا مزا بھی دیتا ہے۔ یہ وہ نشہ ہے جو حواس کو مختل کرنے کے ساتھ سرور بخش بھی ہے۔ ع "مطب مغرب کے مزے میٹھے اثر کیف آوری" جدید جمہوریت میں انتخابات کے دوران ایک عام آدمی جلسوں میں تقریریں سنتا ہے کہ بڑے بڑے لوگ انہیں ملک کا اصل حکمران کہہ رہے ہیں اور ووٹ لینے کے لئے ان سے بار بار بغل گیر ہو رہے ہیں تو وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ اسمبلی کے ارکان اور وزرائے کرام تو ان کے خادم خاص کی حیثیت رکھتے ہیں چنانچہ ان پر ایسا نشہ طاری ہو جاتا ہے جو اگلے انتخابات تک اپنا خمار قائم رکھتا ہے۔ گویا۔

تقریریں رہبروں کی سنیں جس نے رات بھر
اڑتا رہا وہ دور کہیں بادلوں کے ساتھ

یہ تو عام ووٹر کی بات ہے سپورٹران سے بھی زیادہ سرشار ہوتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے ووٹ ڈلوائے ہیں اور انتخابی جلسوں میں نعرہ بازی کی ہے تو ایم۔این۔اے اور ایم۔پی۔اے بلکہ وزراء بھی ان کے اشارہ ابرو کے منتظر رہیں گے حالانکہ کامیاب ہونے والے انہیں بھول کر شب و روز اپنی کرسیوں کی لڑائی میں معروف ہو جاتے ہیں اور اگلے الیکشن تک عموماً ان سے ملاقات کرنا بھی گوارا نہیں کرتے لیکن ان کے لئے یہی احساس کافی ہوتا ہے کہ آئندہ انتخابات میں بڑے لوگ پھر ان کی منت سماجت کرنے آئیں گے تو ہم دل کی بھڑاس نکال لیں گے۔

بہرحال جدید جمہوریت کا خاصہ یہ ہے کہ اس میں ایک عام ووٹر سے لے کر وزراء تک ہر فرد کے لئے دلکشی کا سامان موجود ہے اور یہی سبب ہے کہ قیام پاکستان کے وقت عامتہ المسلمین کے ذہنوں میں اسلامی نظام حکومت رائج کرنے کا جو تصور موجود تھا وہ آہستہ آہستہ مفقود ہوتا چلا گیا اور اس کی جگہ جدید جمہوریت ہی کو خالص اسلامی نظام فرض کر کے اس کی جڑیں راسخ کر دی گئیں ۔اس میں سب سے اہم کردار پیشہ ور سیاستدانوں نے ادا کیا جو عوامی خدمت کے پردے میں اپنا ذاتی اقتدار قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ ان کا ساتھ افسران اعلیٰ نے دیا جو ملک پر اپنا تسلط قائم رکھنے کے آرزو مند ہیں پھر ان علماء کا حصہ ہے جنہوں نے جدید جمہوریت کا اسلام کے عین مطابق ہونے کا فتویٰ دیا۔ ان سب کی مشترکہ جدوجہد سے آج جدید جمہوریت اس ملک کی قسمت کا ستارا بن چکی ہے اور اصل اسلامی نظام حکومت کا تصور ہی ختم ہوتا جا رہا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام میں جمہوریت ہے؟۔ اگر ہے تو کیا واقعی ہماری جدید جمہوریت وہی جمہوریت ہے جو اسلام میں بیان کی جاتی ہے؟۔ اسلام نے حکومتی امور میں جس باہمی مشورے کا حکم دیا ہے کیا جدید جمہوریت اس معیار پر پوری اترتی ہے؟۔ اگر نہیں تو کیا اس جمہوریت میں کچھ تبدیلیاں کر کے اسے اسلامی

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

خلافت ' واہمہ یا حقیقت!

ایمان باللہ کے بیج سے پھوٹنے والا درخت ایک ٹھوس حقیقت ہے

رحیم کاشفی

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے جس میں زندگی کے ہر گوشے سے متعلق رہنمائی موجود ہے ۔ عقائد و عبادات' رسم و رواج ' معاشرت و معیشت اور سیاست و حکومت گویا کہ انفرادی و اجتماعی ہر سطح پر دستور و ضابطہ موجود ہے اور دشمنان دین کی ریشہ دوانیوں کے باوجود یہ حقیقت اب تک مسلمانوں کے ذہن سے محو نہ ہو سکی ۔ مغربی جمہوریت کی بھول بھلیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارنے والے مسلم ممالک کے صاحبان اقتدار آمریت و جمہوریت کے الجھاؤ میں خود بھی پھنسے ہوئے ہیں اور عوام کو بھی پھانس رکھا ہے ' لیکن دجل و فریب کا جادو زیادہ عرصے تک چل نہیں سکتا ع "توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری"۔

سرزمین پاک ' مملکت خداداد پاکستان میں جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا تھا' آخر کار خلافت کی آواز سپیدہ سحر بن کر نمودار ہو ہی گئی ہے ۔ خلافت کیا ہے؟ اسلام کی سیاسی تعلیمات کا عملی مظاہرہ ۔ یہ اسلام کی سیاسی قوت کا عنوان ہے جس سے دشمنان اسلام لرزہ بر اندام ہوجاتے ہیں ۔ یہ مسلمانوں کی اجتماعیت کا نشان ہے جس سے کفار کے دل دہل جاتے ہیں ۔ ع کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زور بازو کا۔

خلافت اللہ کی زمین سے ظلم و استحصال ' بے انصافی ' لوٹ کھسوٹ اور بد امنی و فساد کو ملیا میٹ کردینے کا نام ہے ۔ خلافت مرکزیت کا وہ کھونٹا ہے جس سے بندھ کر مسلم معاشرہ کی قوت و حرکت بڑھ جاتی ہے ۔ خلافت مسلمانوں کے باہمی مشورہ سے تشکیل پانے والی حکومت کا نام ہے ۔ خلافت ایک ایسی دینی اصطلاح ہے جس کا مفہوم ہر مسلمان بآسانی سمجھ جاتا ہے ۔ اجتماعی سطح پر امانت ' دیانت' صداقت' شرافت' شجاعت' عدالت کی امامت کا نام خلافت ہے ۔ خلافت و حدت امت کا امتیازی نشان ہے ۔ خلافت اللہ کی حاکمیت مطلقہ کے نفاذ کی عملی تفسیر ہے ۔ عقیدہ توحید کی سیاسی توضیح کا نام خلافت ہے ۔ اس طرز حکومت میں بندوں کو صرف گنا ہی نہیں جاتا بلکہ تولا بھی جاتا ہے۔

ایمان باللہ کے بیج سے پھوٹنے والا عمل صالح کا پودا جب ماحول کے گرم و سرد سے نبرد آزما ہو کر تناور درخت بننے کے بعد برگ و بار لاتا ہے تو اس کا پھل خلافت کہلاتا ہے ۔ خلافت کا لفظ آج بھی مسلمانوں کے لئے وہ قوت محرکہ ہے جو کبوتر کے تن نازک میں شاہین کا جگر پیدا کرسکتا ہے ۔ یہ مسلمانوں کے بچکولے کھاتے جہاز کا ساحل مراد ہے۔ اسلامی ریاست کے خدو خال کو واضح کرنے میں خلافت کی اصطلاح نہایت جامع و کافی ہے ۔ گو کہ یہ اصطلاح فلسفیانہ ہے تاہم اس کے مفہوم میں کوئی گنجلک نہیں ہے ۔ جب سے خلافت کا سورج غروب ہوا ' مسلمانوں کے سیاسی افق پر اندھیرا چھایا ہوا ہے ۔ یہ مرکز ملت تھا جس کی عدم موجودگی میں ملت اسلامیہ اجزاء پریشاں کی طرح اس عالم آب و گل میں منتشر و بے وقعت ہو کر پراگندہ حال ہے۔ خلافت کا لفظ سامنے آتے ہی مسلم دنیا کی پوری تاریخ آنکھوں کے سامنے گھوم جاتی ہے ۔ عروج و زوال کی کہانی ' ہمت و استقلال کی داستانیں ماضی کے جھروکوں سے جھانکنے لگتی ہیں ۔ یہ لفظ عزائم کو نیا حوصلہ عطا کرتا ہے ۔ خلافت کا لفظ غلبہ و اقتدار دین کے لئے مستعمل تمام اصطلاحات' حکومت الہیہ' نظام مصطفیٰ اور اسلامی نظام و غیرہ کا باحسن احاطہ کرتا ہے۔

اب جب کہ دنیا میں نہایت تیزی سے سیاسی تبدیلیاں رونما ہورہی ہیں اور انسانی معاشرہ نے مرکزیت کا خلا محسوس کرنا شروع کردیا ہے اور اس پر مستزاد امریکہ اپنے مادی و سائل کے ساتھ اس خلا کو نیو ورلڈ آرڈر کے نام سے پر کرنے پر تلا نظر آتا ہے' ضرورت ہے کہ خلافت کے تصور کو ہر سطح پر اجاگر کیا جائے جس میں مادیت سے استفادہ کے ساتھ روحانیت کا فیض بھی ہے ۔ خلافت مسلمانوں کے عظمت پارینہ کا نقش دوام ہے اور مستقبل میں غلبہ واقتدار دین سے متعلق پیشینگوئیوں کا مصداق ' یہ مسلمانوں کی خواہش و آرزو کا آئینہ دار ہے۔ خلافت کوئی واہمہ یا پریشان خیالی نہیں بلکہ ٹھوس حقیقت ہے ۔ اس کی نظریاتی وسعتیں بھی ہیں اور جغرافیائی سرحدیں بھی یہ کوئی خیالی جنت (UTOPIA) نہیں ہے بلکہ آزمودہ اور کار آمد طرز سیادت و قیادت کا نام ہے

اسلامی ریاست میں حکومت کے سربراہ کا لقب خلیفتہ المسلمین ہوتا ہے ۔ یہ ایک ایسی فلاحی مملکت کا سربراہ ہوتا ہے جسے کوئی ترجیحی مراعات حاصل نہیں ہوتیں بلکہ سید القوم خادم کے مطابق وہ قوم کی خدمت پر مامور ہوتا ہے ۔ وہ قومی خزانہ کا امین ' وقار کا پاسدار اور عوامی حقوق کا ضامن ہوتا ہے۔

ایک تحریک وہ تھی جو برعظیم پاک و ہند کے دو عظیم سپوتوں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی (علی برادران) کی ولولہ انگیز قیادت میں ترکی کی روبہ زوال خلافت کے ادارے کو برقرار رکھنے کے لئے برپا کی گئی تھی اور اس وقت پورا برصغیر " بولی اماں محمدعلی کی جان بیٹا خلافت پہ دے دو" کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھا اور ہر مسلمان کے دل کی آواز بن گیا تھا۔ اس تحریک کی ہمہ گیریت کا اندازہ ہندو قوم کے مشاہیر کے طرز عمل سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہیں بھی سیاسی مصلحتوں کے تحت مجبوراً ہی سہی اس میں شامل ہونا پڑا تھا' یہ اور بات کہ ہندی مسلمانوں کے اس جوش و جذبہ کے علی الرغم "ترکوں کے باپ" نے خود ہی اس شاخ کو کاٹ ڈالا جس پر مسلم امت اپنا آشیانہ بنانا چاہتی تھی۔

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

۱۹۲۴ء میں خلافت کا آخری باب ختم ہوا ۔ اعداء و اغیار نے بہت کوشش کی کہ مسلمانوں کو اس کے تصور سے باز رکھا جائے لیکن اس چنگاری کو بجھانا ناممکن ہے ۔ تحریک رجوع الی القرآن کی دعوت عملی میدان میں تحریک خلافت کی شکل میں ظاہر ہوچکی ہے ۔ داعی تحریک خلافت و امیر تنظیم

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

مالی معاملات پر ایک فاضلانہ بحث

وفاقی شرعی عدالت کے تاریخی فیصلے میں ایک ضمنی پہلو کا تجزیہ

ترجمہ : سردار اعوان

عدالت کی طرف سے جاری کردہ سوالنامہ کے جواب میں متعدد ماہرین اقتصادیات اور بنکار حضرات کے بیانات ہمارے سامنے آئے ان میں سے ہر ایک نے واضح طور پر اس تجویز کی مخالفت کی کہ افراط زر (INFLATION) کی نسبت سے اشاریہ (INDEXATION) کو سود کا متبادل اختیار کیا جائے۔ اسٹیٹ بنک آف پاکستان میں اسلامک بنکنگ ڈویژن کے چیف ' ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ حسن الزمان صاحب نے سوالنامہ کے جواب میں استدعا کی کہ انہیں اپنے دلائل پیش کرنے کے لئے پورا ایک دن دیا جائے کیونکہ انہوں نے تقریباً پانچ سال تک افراط زر اور اشاریہ کے موضوع پر بڑی تندہی سے تحقیق کی ہے چنانچہ انہیں اسلام آباد آکر دلائل پیش کرنے کی دعوت دی گئی۔ ان کی موضوع سے متعلق مہارت اور شان دار استدلال ہمارے لئے انتہائی کارآمد رہا۔ لہٰذا ہم ان کے اس عالمانہ مقالہ کا خلاصہ جو بعد میں انہوں نے ہماری خواہش پر ارسال کیا' درج کرنا چاہیں گے کیونکہ یہ ایک نئی اور اہم بحث ہے۔

قریباً اکیس ممالک میں اشاریہ رائج ہے مگر ایک دوسرے سے مختلف شکل میں۔ زیادہ تر ممالک نے اجرتوں' پنشن اور سوشل سیکورٹی کو انڈکس کیا ہے۔ بعض نے ایک بانڈ اور کئی دوسروں نے سرمایہ کاری کی مختلف قسموں کو انڈکس کیا ہے۔ برازیل واحد ملک ہے جس نے مکمل طور پر اشاریہ' اختیار کر رکھا ہے۔ مختلف ممالک میں حالات کی عدم یکسانیت کے باعث اشاریہ کی مختلف صورتیں اور قسمیں رائج ہیں۔ "اشاریہ" کا ایک بالکل عام طریقہ تو یہ ہے کہ اجرتوں یا سرمایہ کو اشیائے صرف کی قیمتوں یا روز مرہ کے اخراجات سے منسلک کر دیا جائے کچھ ممالک میں قیمتوں کے ساتھ قبل از وقت رد و بدل کر لیا جاتا ہے لیکن اکثر ممالک مابعد سابق تبدیلی عمل میں لاتے ہیں تبدیلی کا عرصہ ایک ماہ تا ایک سال اور بعض صورتوں میں تین سال بھی ہوتا ہے۔

اشاریہ سے منسوب کردہ فوائد زیادہ تر محض تصوراتی ہیں۔ جب کہ اس کے خلاف دلائل نظری سے زیادہ مختلف ممالک میں حاصل ہونے والے تجربات پر مبنی ہیں۔ سادہ الفاظ میں اشاریہ کا مطلب اس نقصان کی تلافی کرنا ہے جو روپیہ کی قوت خرید یا اس کی قدر میں کمی کے سبب ہوتا ہے اور یہ تلافی حکومت "اجر" قرض خواہ یا بنک کرتا ہے لیکن اسلام کے نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو پہلے یہ تعین کرنا ہو گا کہ افراط زر کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔

شریعت میں انسان کے جسمانی کام اور سرمایہ کے معاوضہ کے لئے دو الگ قاعدے ہیں۔ پہلی صورت میں ایک طے شدہ اجرت مقرر ہے۔ حکومت اگر ضروری سمجھے تو کم سے کم اجرت مقرر کر کے زیادہ سے زیادہ اجرت مارکیٹ کے حالات پر چھوڑ دے۔ لیکن یہی قانون قرض یا ادھار رقم پر لاگو کرنا سود ہے اور حرام ہے۔ یہ بات بلا استثناء قرآن و حدیث اور تمام فقہاء کے نزدیک طے شدہ ہے۔ قرآن میں سود کی حرمت اتنی شدید ہے کہ فقہا کسی ایسے سودے کو بھی جائز نہیں سمجھتے جس میں مال یا رقم کی منتقلی موخر کی گئی ہو چنانچہ قرض اور ادھار پر رقوم ہی نہیں' ادھار پر اشیاء' مال سے مال کا تبادلہ' کرنسی کا موخر کردہ تبادلہ' قیمتوں میں گراوٹ روپیہ کی قیمت میں کمی و بیشی کے بعد اجرت کی ادائیگی میں تاخیر' نقصان کی تلافی اور قرض کی واپسی کے موقعہ پر کرنسی کی اکائی (Unit) میں تبدیلی لانا سود کی حرمت کے دائرہ میں آتا ہے۔

فقہاء نے حدیث کی روشنی میں یہ رائے قائم کی ہے کہ درہم یا دینار اگر گن کر دیئے گئے ہیں تو گن کر ہی واپس ہوں گے نہ کہ وزن سے اس طرح اگر وزن کر کے دیئے گئے ہیں تو وزن کر کے واپس ہوں گے۔ اشیاء کی صورت میں فقہاء نے مزید وضاحت کی ہے کہ اسی نوع اور مقدار میں بلالحاظ قیمت میں کمی بیشی کے واپس ہوں گی۔ اگر قرض "فلوس" یا "درہم" میں دیا گیا تھا جو حکومت نے بند کر دیئے اور بطور کرنسی رائج نہیں رہے تو قرض دہندہ ان کی قیمت وصول کرے گا۔ اور وہی سکہ قبول کرنے کا پابند نہیں ہو گا کیونکہ یہ سکہ قرض دار کے پاس تھا جب ضائع ہوا۔ "فلوس" کی قیمت ادھار لیتے وقت جو شرح تھی اس سے کم ہو گی اور قرض دہندہ اسی شرح سے قیمت لے گا خواہ کسی درجہ میں خسارہ کا پہلو ہی نہ ہو لیکن "قیمت میں گراوٹ" کے باوجود اگر یہ سکہ چل رہا ہے اور لین دین میں استعمال ہو رہا ہے تو قرض دہندہ "فلوس" ہی قبول کرے گا۔ کیونکہ اصول یہ ہے کہ قرض دہندہ کو وہی شے اسی مقدار میں واپس کی جائیگی خواہ قرض کے عرصہ میں اس شے کی قیمت میں کمی و بیشی ہو یا نہ ہو' واجب الادا تنخواہ کی ادائیگی میں بھی یہی اصول ہو گا۔ اگر کسی کا مال غصب کیا گیا ہے تو غاصب وہی غصب کردہ مال واپس کرے گا اگر مال ضائع ہو گیا ہو تو جب بھی عدالت فیصلہ کرے گی مال کی قیمت ادا کرنا ہو گی۔

لیکن قیمت میں کمی کے سبب نقصان کی تلافی اس کے ذمہ نہیں ہو گی۔

فقہاء نے جو موقف اختیار کیا ہے وہ بہت صاف اور اصولی ہے موخر ادائیگی کی ذمہ داری اسی اصول کے تحت ہے نہ صرف قرض میں بلکہ مال کے تبادلہ ' قیمت میں گراوٹ' بے قدری' قدر میں کمی یا تبدیلی اور تنخواہ' معاوضہ اور از تلافی ادائیگی کی صورت میں بھی۔ ان تمام صورتوں میں قرض کی واپسی کرنسی کے اسی یونٹ اور مقدار میں ہو گی خواہ دوسری اشیاء اور کرنسی کی نسبت سے اس کی قیمت میں کمی واقع ہو چکی ہو۔ اس اصول کی خلاف ورزی قرآن کی حرمت اور حضورؐ کے حکم کی خلاف ورزی ہو گی۔ فقہاء کے نزدیک اس اصول کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کے حق مہر کی ادائیگی میں بھی اس سے انحراف نہیں کر سکتا۔ "عالمگیری" کے مطابق بیوی کو حق مہر کی مقرر کردہ رقم ادا کی جائے گی چاہے ادائیگی کے وقت قیمت کم یا زیادہ ہو گئی ہو۔

شرعی زاویہ نگاہ سے دوسرا اعتراض اشاریہ میں شامل لاعلمی اور غیر یقینی کے عنصر پر ہے۔ شریعت کی رو سے ایک شرط یہ ہے کہ کسی ایسے معاہدہ میں جس میں ادائیگی موخر کی گئی ہو' معاہدہ کرتے وقت قرض کی رقم کا ٹھیک ٹھیک تعین ضروری ہے۔ اس رقم کے معلوم نہ ہونے سے معاہدہ کالعدم ہو جائے گا۔ "اشاریہ" کے تحت یہ رقم اشاریہ کے لاگو ہونے پر علم میں آتی ہے۔ قیمتوں میں تبدیلی واقع ہونے اور ان میں رد و بدل کرنے کا درمیانی وقفہ بھی انڈکس میں شامل رکھنے کے لئے بعض مسالک اس عرصہ کے لئے "خیالی افراط زر" شمار کر لیتے ہیں۔ مابعد سابق اشاریہ میں لاعلمی اور "خیالی افراط زر" میں غیر یقینی کا عنصر موجود ہے۔ جو کسی بھی معاہدہ کو کالعدم قرار دینے کے لئے کافی ہیں۔ اگرچہ قرضوں اور ادھار پر لی گئی رقوم کو قوت خرید کے ساتھ منسلک کرنے کا اصول متن سے مطابقت نہیں رکھتا پھر بھی منطقی اور عقلی طور پر اشاریہ کے حق میں دلائل پیش کئے جا سکتے ہیں ذیل میں ان دلائل کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ عالمی سطح پر افراط زر کی وجہ سے معیشت کا درہم برہم ہونا اس سے قبل کبھی پیش نہیں آیا۔ لہٰذا شروع کے فقہاء کی آراء سے ہٹ کر اجتہاد کی ضرورت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اجتہاد اس صورت میں کیا جا سکتا ہے جہاں متن (نص) موجود نہ ہو ۔ اور چونکہ اس مسئلہ میں "نص" سے راہنمائی موجود ہے' اجتہاد کی گنجائش نہیں۔

۲۔ حضورؐ کا فرمان ہے کہ نہ کسی کو نقصان دیا جائے اور نہ نقصان اٹھایا جائے افراط زر سے روپیہ کی قوت خرید کو نقصان پہنچتا ہے جس کا ازالہ اشاریہ کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ اس کا جواب اسلام کے قانون حق رسی کی روشنی میں تلاش کرنا ہو گا اور وہ یہ ہے کہ جو شخص نقصان پہنچائے گا تلافی بھی وہی کرے گا۔ لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ افراط زر کے متعدد اسباب میں سے کس کو تلافی کے لئے ذمہ دار گردانا جائے۔ اگر مزدور یونینیں قیمتوں میں اضافہ کی ذمہ دار ہیں تو بنک کو کیونکر یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ قرض داروں سے یہ نقصان پورا کرے۔ اور اسے دگنی سزا دے کہ وہ مزدوروں کو تنخواہ بھی زیادہ دے اور قرض کی واپسی پر بھی۔ ایک قرض خواہ کس گناہ کی پاداش میں اس کمی کو پورا کرے جو بیرونی قرضوں ' زیادہ تنخواہوں اور بے روک ٹوک منافع خوری کے باعث طلب و رسد کی بنا پر واقع ہوئی۔ بعض ممالک صرف حکومت کی طرف سے جاری کردہ "بانڈز" کی تلافی کرتے ہیں۔ یہاں بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ حکومت کس کے روپیہ سے یہ تلافی کر رہی ہے۔ کیونکہ حکومت کے خزانہ میں ٹیکس گزار روپیہ فراہم کرتے ہیں دوسرے الفاظ میں پورا معاشرہ صرف بانڈز رکھنے والوں کی تلافی کر رہا ہے حالانکہ معاشرہ کا ہر فرد خود بھی یہ نقصان برداشت کرنے پر مجبور ہے۔

۳۔ حکومت کی وکالت میں کہا جا سکتا ہے کہ عوام کے مفادات کے تحفظ کی خاطر اسے قوت خرید میں کمی کا خسارہ پورا کرنا چاہئے خواہ اس کی ذمہ داری اس پر نہ بھی عائد ہوتی ہو۔ کیونکہ اصول یہ ہے کہ نقصان کی تلافی بہرحال ہونا چاہئے۔ اس کا جواب ہو گا کہ یہ قانون صرف اس صورت میں لاگو ہو گا جب یہ یقین ہو کہ ایک نقصان ختم کرنے سے اس سے بڑا یا اس جیسا دوسرا نقصان واقع نہیں ہو گا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ شدید نقصان سے بچنے کے لئے اس سے ہلکا نقصان برداشت کر لینا چاہئے' تیسری شرط یہ ہے کہ "عمومی" نقصان کی نسبت ایک خاص نقصان قبول کرنا بہتر ہے۔ اس کے برعکس مبصرین کے نزدیک اشاریہ ایک پیچیدہ ترکیب ہے جسے نہ صرف ترتیب دینا اور چلانا مشکل کام ہے بلکہ یہ از خود افراط زر کو پیدا بھی کرتا ہے لہٰذا سادہ طریقہ چھوڑ کر پیچیدہ راہ اختیار کرنا کہاں کی عقلمندی ہے جبکہ افراط زر میں کمی کی امید بھی کم ہو۔ اس امر میں شک نہیں کہ خسارہ کی سرمایہ کاری کے ذریعہ سرکاری اخراجات بڑھا کر "روپیہ پھیلانے" کی حکمت عملی افراط زر کا اصل سبب ہے خواہ دوسری کوئی بھی وجہ نہ ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ حکومت روپیہ کیوں پھیلاتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ معاشرہ کی مجموعی ترقی' پورے ملک اور آئندہ نسلوں کی بہبود کی خاطر حکومت کو ایسا کرنا پڑتا ہے۔ حالانکہ حکومتی اخراجات معمول کے بجٹ کے تحت محدود کر کے اور بڑے بڑے منصوبے' جن پر بڑی رقمیں خرچ ہوتی ہیں' ترک کر کے افراط زر سے بچا جا سکتا ہے۔ لیکن آج کی دنیا میں ایسا کرنا معاشی اور سیاسی خطرے کا باعث ہے جس کا مطلب معمولی خطرے سے بچنے کے لئے معاشرہ کو شدید خطرے سے دوچار کرنا ہے ۔ گویا موجودہ نسل کی قوت خرید برقرار رکھنے کے لئے ترقیاتی منصوبوں اور دفاعی تیاریوں سے دست برداری ملکی آزادی اور آنے والی نسل کی معاشی خوشحالی داؤ پر لگانے کے مترادف ہے۔

۴۔ اشاریہ کے حق میں ایک دلیل یہ ہے کہ افراط زر کی وجہ سے ٹریڈ یونینز اپنی تنخواہوں میں اضافہ کرا لیتی ہیں۔ اگر قیمتوں میں اضافہ کے نتیجہ میں تنخواہوں میں اضافہ شرعاً جائز ہے تو اشاریہ کیوں جائز نہیں۔ یہ شبہ دینا غلط فہمی پر مبنی ہے کیونکہ شریعت میں خدمت کے معاوضہ کا قانون قرض سے مختلف ہے۔ خدمت کے عوض اضافہ تنخواہ میں اضافہ ہے قرض کی رقم پر اضافہ سود ہے۔

مزید برآں ذیل میں درج نکات عقلی بنیاد پر اشاریہ کی نفی کرتے ہیں:

۱)۔ روپیہ کی قدر ایک اضافی اصطلاح ہے۔ اس سے روپیہ کی اصلی خصوصیت' یعنی ذریعہ مبادلہ اور اکائی ہونے کا اظہار نہیں ہوتا۔ جب افراط زر ہو تو اس کی خصوصیت متاثر ہو کر بطور

مبادلہ "مستقبل کی قدر" ہو جاتی ہے جب سے کرنسی ایجاد ہوئی یہ خصوصیت کبھی ایک جیسی نہیں رہی۔ جب روپیہ "بھرپور جسامت" کا حامل تھا' اس وقت بھی یہی صورت تھی۔ سوال یہ ہے کیا روپیہ میں کوئی خامی داخل ہو گئی ہے جس نے اس کی قوت خرید کم کر دی ہے یا اشیاء فروخت والوں کی گڑبڑ ہے جو قیمت زیادہ طلب کر رہے ہیں۔ یقیناً موخرالذکر عنصر قیمتوں میں اضافہ کا ذمہ دار ہے کیونکہ مال کی فراہمی اور "خدمات" روپیہ کی موجود مقدار کے ساتھ ہم آہنگ نہیں۔ روپیہ کی اصل خصوصیت برقرار ہے۔ قیمتوں میں عموماً غیر یکساں اضافہ سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ روپیہ کے اندر کوئی خامی نہیں بلکہ اس بگاڑ کا سبب خدمات اور مال کی طلب اور رسد میں فرق ہے۔

ب) اشاریہ کا بنیادی تصور سرمایہ دار ر قرض دہندہ کو روپیہ کی قوت خرید میں اس کمی کا معاوضہ دینا ہے جو آئندہ ہو گی مگر بجائے قرض کی واپسی کے وقت قرض لیتے وقت اس کا اطلاق ہو جاتا ہے ۔ یعنی روپیہ کی قوت خرید کی ہی نہیں اس کی امکانی گنجائش کی ضمانت بھی فراہم ہونی چاہئے۔ یہ ایک ایسی شرط ہے جس کا پورا ہونا ممکن نہیں اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ محض اشاریہ انصاف کے تقاضے پورے نہیں کرتا۔

ج) جو اشیاء صرف کی باسکٹ اور ان کے وزن پر انڈکس میں شامل کی جاتی ہے وہ "انڈکس" کہلاتی ہے اور اس کے انتخاب میں ناانصافی کا پہلو موجود رہے گا لوگوں کی اکثریت کی بجائے ایک اوسط شخص کی ضروریات پر مشتمل ہوتا ہے۔ گویا بعض کے لئے یہ ناانصافی اور کئی دوسروں کی بلا جواز حمایت ہو گی۔ "باسکٹ" یا تو پورے ملک ر علاقہ کے اخراجات کا عکس ہو گی ورنہ پھر ہر علاقہ کے لئے مختلف طرز زندگی' قیمتوں کے ڈھانچے' روایت عادات کے پیش نظر ایک نئی باسکٹ ترتیب دینا ہو گی جس سے ایک نئی طبقاتی تقسیم نمایاں ہو گی۔

د) مذکورہ بالا مکانی' ناانصافی کے ساتھ ساتھ انڈکس میں "زمانی" ناانصافی بھی شامل ہے۔ انڈکس یا تو کسی خاص ایک تاریخ یا سال میں ایک 'دو' تین خاص وقفوں سے قیمتوں کی بنیاد پر ہوتا ہے اس کے برعکس بچتیں' ادھار اور ادائیگیاں روز مرہ کا کاروبار ہیں۔ اوسط قیمتیں بالکل حقیقی اور منصفانہ نہیں ہوں گی۔

ر) انڈکس کی دور تک رسائی بھی ناانصافی کا سبب ہے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ روپیہ کی قوت خرید میں کمی کا پورا کیا جانا ضروری ہے۔ مگر کس کے لئے ؟ بچت کے کھاتہ داروں کی انفرادی قوت خرید میں کمی پورا کرنا ہو گی نہ کہ اجتماعی طور پر۔ لیکن کیا تمام کھاتے داروں کی قوت خرید میں کمی "انڈکس" کے مطابق ہے۔ معلوم ہو گا کہ کوئی بھی انڈکس کی اشیاء کی خریداری کے لئے بچت نہیں کرتا لہٰذا کسی کی بچت کو مخصوص اشیا کی قیمتوں سے منسلک کرنا غیر حقیقت پسندانہ اور غیر منصفانہ ہو گا۔ اگر خریداری میں نقصان کی تلافی کرنا ہی ہے تو ہر ایک کھاتہ دار کو اس کے حقیقی نقصان کی تلافی کرنا چاہئے۔ جو کہ ناممکن ہے۔ زر کی قوت خرید میں کمی کی تلافی باریک معاشی مظہر ہے اسے بڑے پیمانہ پر سلجھانا غیر منصفانہ ہو گا۔

س) ان تمام ناانصافیوں کے علاوہ غور طلب بات یہ ہے کہ زر کی قوت خرید میں کمی کا سبب ادھار نہیں ------ بچت کا عمل ہے۔ خواہ بچت کی رقم قرض پر دی گئی ہو یا نہیں۔ لہٰذا ادھار لینے والے پر اس نقصان کی ذمہ داری ڈالنا ناانصافی ہے۔

ص) قیمتوں میں استحکام ایک مثالی صورت ہے طویل عرصہ کے لئے اس کا حصول اور اسے برقرار رکھنا ایک قدیم اور جامد معاشرہ کا خاصہ ہو گا۔ کسی متحرک معاشرہ میں صرف قلیل مدت کے لئے یہ استحکام لایا جا سکتا ہے عادات' پیداواری طریقے' اخراجات کے انداز' معیار زندگی' ایجادات دفاعی ٹیکنالوجی میں ہونے والی تیز رفتار تبدیلیوں کے سبب قیمتوں کا استحکام ممکن نہیں۔

ط) اشاریہ کی تمام بحث آئندہ مستقلاً افراط زر کی صورت حال کے تصور کے تحت کی جاتی ہے۔ عقلمندی کا تقاضا ہے کہ اس کے برعکس کیفیت بھی زیر بحث لائی جائے۔ تفریط زر یا کساد بازاری کے نقطہ عروج پر اشاریہ کے اثرات کیا ہوں گے۔

ع) بعض "معاش دان" روپیہ کی دو خامیاں پورا کرنے کے لئے اشاریہ تجویز کرتے ہیں۔ یعنی "ذخیرہ قدر" اور افراط زر کے نتیجہ میں موخر ادائیگی کا معیار لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ اس سے زر کی ایک تیسری خصوصیت بھی جاتی رہتی ہے یعنی پیمانہ قدر چہ جائیکہ یہ دو خصوصیات بحال ہوں۔

ف) افراط زر سے وابستہ عام نفرت یہ کہہ کر رد کی جا سکتی ہے کہ اکثر و بیشتر یہ نفرت ایک نفسیاتی رد عمل ہے جو عوام کی بچت میں اضافہ آمدنی میں اضافہ کی شرح کے مطابق نہ ہونے سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ اشیاء صرف مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے اور آمدنی کے ساتھ اخراجات میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ ہرحال میں قیمتوں کا استحکام شریعت کے لحاظ سے بذات خود مطلوب نہیں بلکہ دوسرے مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ "شلز" کا علاقائی متبدل طلب کے نظریہ کی رو سے ترقی پذیر ممالک میں قیمتوں کا استحکام ناممکن العمل رہے۔

ق) چونکہ بلا سود قرضے زیادہ تر غیر پیداواری نوعیت کے ہوتے ہیں اس لئے قرض خواہ کے نقطہ نگاہ سے اس کا معاوضہ طلب کرنے کا کوئی جواز نہیں۔

ک) اگر افراط زر منافع کی شرح سے زیادہ ہو گا تو بنکوں کے لئے قرضوں کے کھاتے قبول کرنے اور برابری کی بنیاد پر رقوم فراہم کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں رہے گی۔

ل) بنکوں کی جانب سے اشاریہ کا سلسلہ کسی اسلامی معاشرہ میں ان کوششوں کی حوصلہ شکنی کا باعث ہو گا جو کچھ لوگ رضاکارانہ طور پر قرضوں کی فراہمی کے لئے کرنا چاہیں گے۔ اگر انفرادی سطح پر بھی اشاریہ رواج پانے لگا تو سود کے خلاف باندھے گئے تمام بند ٹوٹ جائیں گے۔

م) اشاریہ کرنسی کے نظام میں ابہام کا سبب ہو گا کیونکہ "محافظ خانہ" کے مطابق ایک ہی کرنسی کی مختلف قدر ہو گی یعنی سرکاری پیشگی رقوم ملک میں جمع اور کاروبار میں استعمال ہونے والے روپیہ کی تین الگ قدریں ہوں گی ۔ افراط زر کے نتیجہ میں "پیشگی" کی قدر کم ہوتی رہے گی' کاروبار میں لگائی رقم کا اعضاء پیداوار پر ہو گا۔ اور اشاریہ کے تحت قرضوں میں دی گئی بنک کی رقم برابر رہے گی۔ اس طرح روپیہ کی خصوصیت بلحاظ اکائی کے ختم ہو جائے گی۔

ن) اشاریہ کے تحت انڈکس باسکٹ سے ' جو اسے نام دیا گیا ہے اور زیر عمل ہے' آئندہ کے لئے قرض کی رقوم کے تصفیہ کا معیار مقرر ہوتا ہے۔ اسلامی قانون میں مال' کا ادھار لین دین کیا جا سکتا ہے۔ موخر ادائیگی کے لئے بھی یہی معیار ہے مال کی مقدار لین دین میں شمار ہوتی ہے۔ مال

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

قرآن فاؤنڈیشن

نوجوان نسل میں قرآنی تعلیمات پھیلانا اس کا مقصد ہے

پاکستان ایک نظریاتی مملکت کی حیثیت سے حاصل کیا گیا تھا جس کا مقصد قیام اسلامی نظام کو تمام شعبہ ہائے زندگی میں بالفعل نافذ کرنا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے از بس ضروری تھا کہ ملک کی تمام درسگاہوں میں قرآن مجید کی تعلیم کا مناسب انتظام کیا جاتا لیکن افسوس کہ ایسا نہیں کیا گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے نوجوانوں کی غالب اکثریت قرآنی تعلیمات سے نا آشنا ہونے کی وجہ سے بے راہ روی کا شکار ہے۔ اس افسوس ناک حالت کو دیکھتے ہوئے چند درد مند اہل علم حضرات نے ۱۹۸۳ء میں ایک ادارہ قرآن فاؤنڈیشن کے نام سے قائم کیا جس کا مقصد نوجوانوں میں خصوصا اور ملک کے پڑھے لکھے طبقے میں عموما قرآنی تعلیمات کی نشرو اشاعت ہے۔ اس سلسلے میں فاؤنڈیشن نے قرآن مجید کا ترجمہ ضروری تشریحات کے ساتھ "الکتاب" کے نام سے شائع کیا جو مندرجہ ذیل خصوصیات کا حامل ہے:

۱) ۔ اردو زبان کے قدیم و جدید تراجم و تفاسیر سے مرتب کیا گیا ہے۔

۲) ۔ فرقہ بندی کے تعصبات سے بالا تر ہے۔

۳) ۔ روایات احادیث صحیحہ اور صحابہ کرامؓ یا سلف صالحین سے ماخذ ہیں۔

۴) ۔ قرآن کے تمام مشکل مقامات کی مختصر مگر جامع تشریح و توضیح کی گئی ہے۔

۵) ۔ قرآنی قصص کی مقصدیت اور سلسلہ کلام کے ساتھ ان کی مناسبت کی وضاحت کی گئی ہے۔

۶) ۔ تمام انبیاء ورسل، شخصیات، مقامات اور واقعات جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے ان کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

۷) ۔ آفاق اور انفس کے بارے میں جو حقائق قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں ان کی تصدیق جدید سائنس "انکشافات" کی صورت میں کر رہی ہے جو قران مجید کے کلام الٰہی ہونے کی زبردست دلیل ہے۔ الکتاب میں ان سائنسی "انکشافات" کی نشان دہی کی گئی ہے۔

قرآن فاؤنڈیشن کی ایک گورننگ باڈی (مجلس منتظمہ) ہے جو اس ادارے کی انتظامی اور مالیاتی انصرام کی ذمہ دار ہے۔ یہ گورننگ باڈی مندرجہ ذیل ارکان پر مشتمل ہے۔

۱۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب (چیئرمین)
۲۔ ڈاکٹر محمد عثمان صاحب
۳۔ جناب محمد زمان خان صاحب
۴۔ ڈاکٹر خاور ضیاء صاحب
۵۔ جناب سعید احمد صاحب
۶۔ جناب ظفر سلیم صاحب
۷۔ جناب الطاف حسین صاحب
۸۔ جناب اقتدار احمد صاحب
۹۔ جناب قمر سعید صاحب
۱۰۔ جناب احسن الدین صاحب
۱۱۔ ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ صاحب

فاؤنڈیشن کی انعامی اسکیم

الکتاب ہر سال ان طلباء اور طالبات کو بطور انعام دی جاتی ہے جنہوں نے اس سال ایف اے / ایف ایس سی کے امتحانات میں کم از کم ۶۰ فی صد نمبر حاصل کئے ہیں (خواہش مند حضرات بھی مبلغ ۱۰۰/- روپے زر اعانت کے عوض الکتاب حاصل کرسکتے ہیں۔ ڈاک سے منگوانے کی صورت میں مزید ۲۰/- روپے برائے پیکنگ و ڈاک خرچ ارسال کریں) ظاہر ہے کہ اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کثیر رقم درکار ہے۔ فاؤنڈیشن کا ذریعہ آمدنی عطیات، زکوٰۃ اور فاؤنڈیشن کی فیس رکنیت پر مشتمل ہے۔ سالانہ فیس رکنیت ایک ہزار اور تاحیات رکنیت پانچ ہزار روپے ہے۔

اگر ملک کے مخیر حضرات دام درمے اس کار خیر میں تعاون کریں گے تو یہ ادارہ ایک صدقہ جاریہ کی صورت میں قرآنی تعلیمات کی نشرو اشاعت کا کام انجام دیتا رہے گا۔ اور ان حضرات کا عمل ان شاء اللہ ان کے لئے موجب اخروی فوزو فلاح ہوگا۔ قرآن فاؤنڈیشن سے رابطے اور ترسیل زر کے لئے پتہ یہ ہے:

جنرل سیکرٹری قرآن فاؤنڈیشن
۲۔ شارع ایوان تجارت (بالمقابل سرکٹ ہاؤس)
لاہور ۳ فون ۳۰۶۲۵۱

ایک مرد خدا مست کی لذیذ حکائت جس نے برصغیر میں
اسلامی انقلاب کی دو شمعیں فروزاں کیں

مولانا ابوالکلام آزاد، سید ابوالاعلیٰ مودودی
اور مستری صاحب

مستری محمد صدیقؒ کی واحد نشانی، رحمان صدیقی نے جسے مرتب کیا

قیمت ۶۵ روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن

۳۶، کے۔ ماڈل ٹاؤن لاہور

بقیہ فکر و نظر

سانچے میں ڈھالا جا سکتا ہے؟۔ کیا اسلامی طرز حکومت اس جمہوریت سے بالکل مختلف کوئی اور چیز ہے جس کا اس انداز جمہوریت کا دور سے بھی واسطہ نہیں؟۔ ان سوالات پر تفصیلی گفتگو کی ضرورت ہے اگر زندگی نے وفا کی اور ادارہ "ندائے خلافت" نے اجازت دی تو اگلے سلسلہ مضامین میں ان امور پر اظہار خیال کی کوشش کروں گا۔○○

بقیہ واہمہ یا حقیقت

اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے فکر کا ارتقاء اپنے فطری انداز سے آگے بڑھ رہا ہے ۔ انہوں نے درس قرآن کا آغاز کر کے انجمن خدام القرآن کی بنیاد رکھی ' انقلابی جدوجہد کے لئے تنظیم اسلامی قائم کی اور اب عوامی حمایت و قوت کی فراہمی کے لئے تحریک خلافت کا آغاز کیا ہے ۔ یہ بزرگان دین و اسلاف ملت ہی کے نقوش قدم ہیں جن پر گامزن یہ قافلہ سوئے منزل بڑھ رہا ہے ۔ انقلابی سیاست کی اکھاڑ پچھاڑ اور مذہبی فرقہ بندی کی فتنہ انگیزیوں سے کنی کتراتے ہوئے قیام خلافت کی یہ جدوجہد ان شاء اللہ ضرور بار آور ہوگی۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ جہاں معمور ہوگا نغمہ توحید سے

اس کی قوی ترین دلیل تو احادیث نبویہ ہیں لیکن Survival of the Fittest کا اصول بھی اس کے حق میں ایک بڑی دلیل ہے۔

بقیہ : فاضلانہ بحث

کی قدر اور طلب ہوتی ہے اشیاء صرف کی باسکٹ حساب کتاب کے لئے ایک تصوراتی ترکیب ہے۔ اس کی اپنی کوئی قدر نہیں کیونکہ اس کی کوئی طلب نہیں اور نہ لین دین میں ہوتی ہے لہٰذا اسلامی قانون کے تحت اس کا اختیار کیا جانا مشکوک ہو گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک مناسب حد سے آگے افراط زر مفاد عامہ کے لئے سرمایہ کاری ختم کر دے گا۔ معاشرتی امور میں عدم دلچسپی کے سبب ذخیرہ اندوزی اور سٹہ بازی کی حوصلہ افزائی ہو گی نجی سرمایہ دوسری جگہ منتقل کرنے کی راہ کھل جائے گی معاشیات کی مجموعی آمدنی میں کمی ہو گی

بقیہ : افتتاحیہ

نصف صدی میں زمانہ چال قیامت کی چل گیا ہے اور ہم ہیں کہ چلے تو الٹی چال چلے ۔ آدھا ملک گنوا بیٹھے اور یوں اپنا جغرافیہ بھی بگاڑ لیا ۔ "ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے ' ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ" ۔ رہی تاریخ تو وہ بھی ہرگز ہمیں معاف نہ کرے گی ' اس کی گواہی جریدہ عالم پر یہ ثبت ہے کہ ہماری دینی اور اخلاقی حالت کا دیوالہ نکل چکا ہے ۔ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے ہم بہتر مسلمان اور نسبتاً اچھے انسان تھے ۔ آزادی کی نعمت ہمیں راس نہیں آئی تو اس کی کوئی وجہ ضرور ہوگی ۔ کیا وہ وجہ یہی نہیں کہ ہم نے آزاد ہو کر اپنے آپ کو اللہ کی غلامی میں دینے کا جو لفظی نہیں تو معنوی عہد کیا تھا ' اس عہد سے ہم بالفعل پھر گئے اور اسی کی پاداش بھگت رہے ہیں کیونکہ ان العہد کان مسئولا۔○

معاشرہ کے مختلف طبقوں ' خصوصاً مقررہ آمدنی والے طبقہ میں اصل آمدنی کی تقسیم کے کام میں رکاوٹ پیش آئے گی۔ اس طرح کے حالات کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ ان برائیوں کے خلاف کہا جاتا ہے اشاریہ ایک موثر تدبیر ہے۔ لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کسی برائی کا مقابلہ دیسی یا اس سے بڑی برائی سے کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا مسلمان ماہرین اقتصادیات کو شریعت کے اندر افراط زر کا مقابلہ کرنے کا راستہ تجویز کرنا ہو گا اگر چلی جیسا ملک افراط زر کا مسئلہ غیر مالیاتی طریقہ سے حل کر سکتا ہے تو ہمارے ماہرین اقتصادیات کا ایک ایسے طریقہ پر اصرار بلا جواز ہے جو شرعی احکام سے متصادم ہونے کے علاوہ افراط زر کا علاج بھی ثابت نہیں ہوا۔

KHALID TRADERS
IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

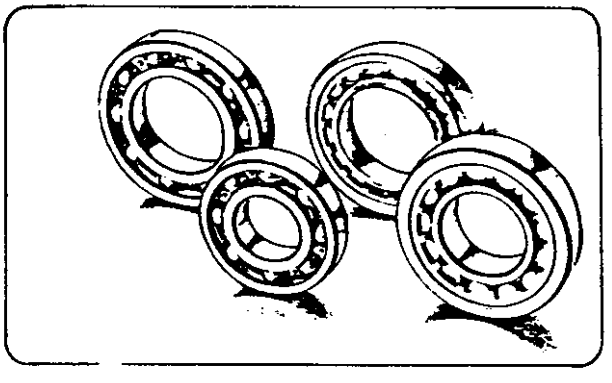

PLEASE CONTACT
TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734778

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

تربیت و تزکیہ

چھٹا سبق

قرآن مجید کی عظمت و اہمیت

انسان کی کتنی بڑی خوش بختی ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس کی وفاداری کا امتحان لینے کے لئے اس کی خیرو شر کی تمیز کی فطری صلاحیت پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ قرآن مجید کی صورت میں زندگی کے انفرادی و اجتماعی معاملات کے لئے مکمل راہنمائی کا بھی اہتمام فرمایا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں ایک عملی نمونہ بھی عطا فرمایا ۔ لیکن دوسری طرف

کتنی بڑی ستم ظریفی ہے کہ ہم اس عظیم ترین نعمت ہدایت سے نہ صرف خود محروم ہیں بلکہ اس کے دوسرے انسانوں تک پہنچنے میں رکاوٹ بھی بنے ہوئے ہیں اس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ہم نے شاید قرآن مجید کی عظمت و اہمیت سے اس طرح واقف نہیں جیسا ہمیں واقف ہونا چاہیے ۔

اس کی عظمت کا اندازہ کرنے کے لئے ذرا غور کیجئے کہ یہ اس ہستی کا کلام ہے جو پوری کائنات کی خالق ہے پھر جس انسان پر اسے نازل کیا گیا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تمام نوع انسانی میں اپنے مقام اور مرتبے میں افضل ترین قرار پائے ۔ جس رات میں اسے لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر منتقل کیا گیا اس ایک رات کی عبادت کو ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے بر تر قرار دیا گیا جس مہینے میں اس کے نزول کا آغاز ہوا وہ مہینہ یعنی رمضان المبارک دیگر گیارہ مہینوں میں ایک ممتاز حیثیت اختیار کر گیا ۔ پھر جس علاقے میں قرآن نازل ہوا وہ علاقہ تمام روئے ارضی پر مقدس ترین علاقہ شمار ہوا جن افراد نے اس کے نزول کے مقصد سمجھا اور اختیار کیا وہ لوگ یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کفر و شرک کی پستیوں سے نکل کر ہدایت و راہنمائی کے مناسب جلیلہ پر فائض ہوئے ۔ غرضیکہ جس چیز کا بھی تعلق کتاب اللہ سے قائم ہوا وہ چیز مقام اور مرتبے میں اپنی جیسی مخلوق میں نمایاں اور امتیازی مقام حاصل کر گئی ۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم قرآن مجید کو اللہ کا کلام مانتے ہیں اور اس کے ساتھ محبت اور عقیدت کا اظہار بھی کرتے ہیں لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ

ہیں کیوں ذلیل آج کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں

اس کے الہامی جواب سے آپ بھی اتفاق کریں گے کہ

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہو تارک قراں ہو کر

اس وقت بحیثیت امت مسلمہ جس ذلت و رسوائی کا شکار ہیں اس کا اصل سبب یہی تو ہے کہ اللہ کی مضبوط رسی قرآن مجید کے ساتھ ہمارا تعلق ٹوٹا ہوا ہے تعداد میں سوا ارب سے زائد ہونے کے باوجود بین الاقوامی معاملات میں ہماری حیثیت پر کاہ کے برابر بھی نہیں ہے ۔ یہ صورت حال ایسی نمایاں ہے کہ کسی دلیل سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔

قرآن مجید قول فیصل ہے ۔ امت مسلمہ کے عروج و زوال کا دارو مدار قرآن مجید کے ساتھ ہمارے روے پر ہے ۔ ایک صحیح حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یوں وضاحت فرمائی ہے کہ

اللہ بہت سی قوموں کو اس قرآن کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے باعث عروج اور ترقی عطا فرمائے گا اور بہت سی قوموں کو (قرآن سے منہ موڑنے اور روگردانی کے جرم میں) ذلیل و خوار کردے گا۔

ذرا غور کیجئے وہی معجز کلام قرآن مجید آج بھی ہمارے پاس من و عن محفوظ حالت میں موجود ہے اس کی وہ خصوصیات بھی اس سے جدا نہیں ہوئیں ۔ تبدیلی ہمارے طرز عمل میں واقع ہوئی ہے جس کے باعث ہم اس برزگ و برتر کلام کی برکات اور فیوض سے محروم ہیں ۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا امن و آشتی کا گہوارہ بنے ، ظلم و استحصال کا خاتمہ ہو اور اس کائنات کا اصل اور فطری دین غالب ہو تو ہمیں اپنی ذاتی حیثیت میں قران مجید سے درست بنیادوں پر تعلق قائم کرنا ہوگا ۔ یہی وہ مضبوط رسی ہے جو ہمیں اپنے رب سے جوڑتی ہے اس سے ہماری تربیت اور تزکیہ ہوگا۔ یہی وہ آلہ انقلاب ہے جس کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قلیل مدت میں تاریخ انسانی کا مکمل ترین انقلاب برپا کیا اور یہی وہ دستور اور آئین ہے جس کی رہنمائی میں صحابہ کرام نے خلافت راشدہ جیسا عدل و انصاف پر مبنی ایک حد درجے متوازن اور مثالی نظام حیات قائم کیا۔

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کرسکتی ہے انداز گلستاں پیدا
اور
فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

نوٹ : قرآن مجید کے ساتھ ہمارا تعلق کیسے قائم ہو اور اس کی صحیح بنیادیں کیا ہیں اس کے لئے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب داعی تحریک خلافت پاکستان کا خاص اسی موضوع پر تحریر کردہ کتابچہ "مسلمانوں پر قران مجید کے حقوق" رمضان المبارک میں ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE

36 -K,Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

ہم مغرب سے مقابلہ کرتے ہیں

....اور اُن ہی کی سرزمین پر!

ہم اپنے گارمنٹس' بیڈلینن اور ٹیکسٹائل کی دیگر مصنوعات مغربی ممالک' اسکینڈی نیوین ممالک' شمالی امریکہ' روس اور مشرق وسطیٰ کے ملکوں کو برآمد کرتے ہیں' اور ہماری برآمدات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے لیکن بیرونی منڈیوں میں اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے ہمیں انتھک محنت کرکے اپنی فنی مہارت اور معلومات میں مستقل اضافہ کرتے رہنا پڑتا ہے۔ ایسی محنت جو ہمیں تھک کر دم نہیں لینے دیتی' ایسی محنت جو ہماری کارکردگی کے معیار کو اور بلند کرتی ہے' ایسی محنت جو کوالٹی' ڈیزائن اور پابندیٔ وقت کے سلسلے میں کرم فرماؤں کے مطالبات اطمینان بخش طریقے پر پورا کرنے کا ہمیں اہل بناتی ہے۔

Made in Pakistan
Registered Trade Mark

Jawad

جہاں شرط مہارت
وہاں جیت ہماری

معیاری گارمنٹس تیار کرنے اور برآمد کرنے والے

ایسوسی ایٹڈ انڈسٹریز (گارمنٹس) پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹڈ

IV/C/3-A ناظم آباد' کراچی-18- پاکستان- فون 610220-616018-628209

کیبل "JAWADSONS" ٹیلیکس 24555 JAWAD PK فیکس (92-21) 610522